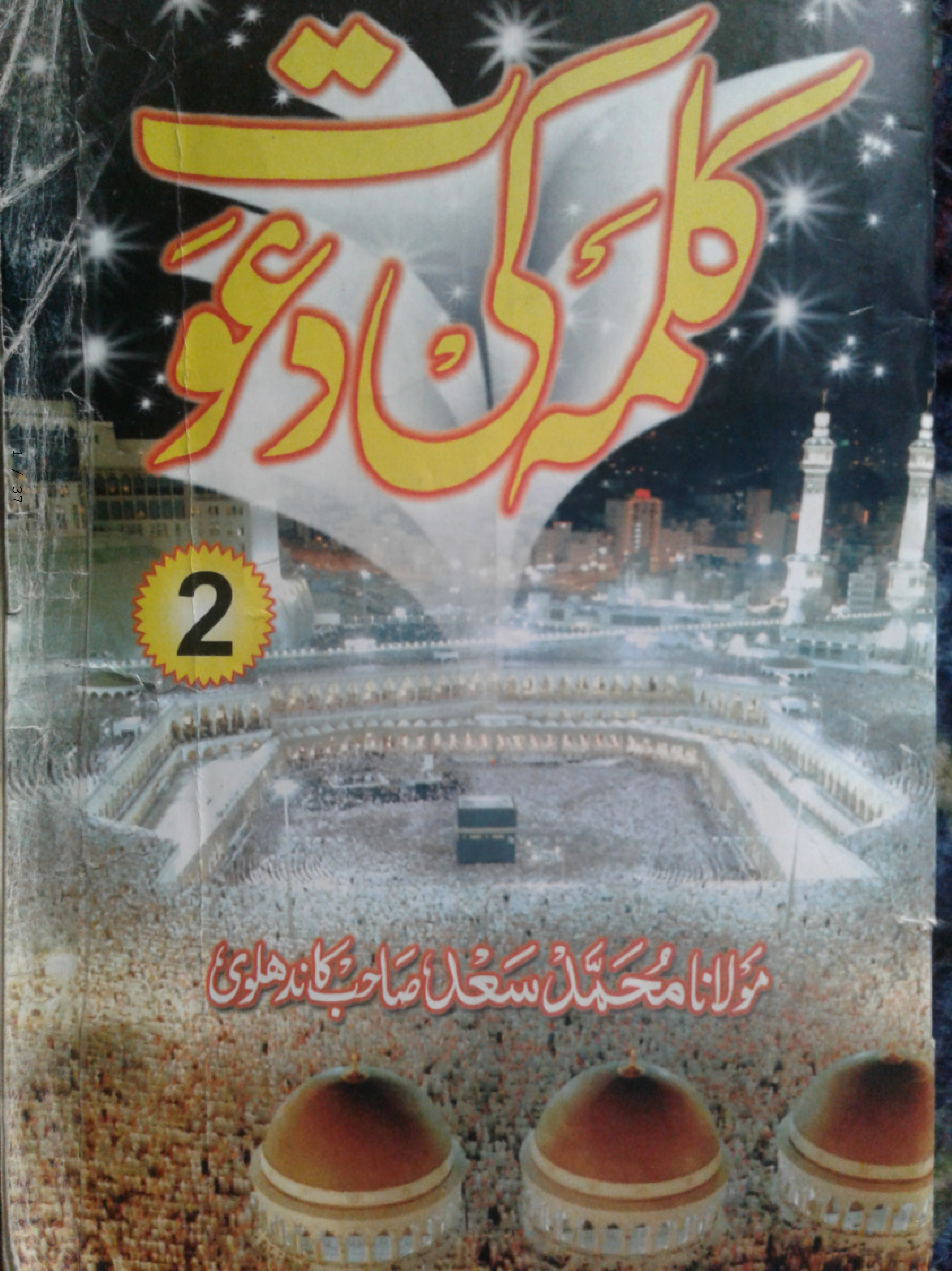

کلمہ کی دعوت
2
مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی

Mohammad Hussain
Sopore.

کلمہ کی دعوت

حصہ دوم

حضرت مولانا سعد صاحب کاندھلوی

مرتب: مولانا محمد الیاس صاحب قاسمی

نام کتاب	کلمہ کی دعوت (حصہ دوم)
خطاب	مولانا سعد صاحب کاندھلوی
صفحات	٦٨
باہتمام	الحاج محمد ناصر خاں
تعداد اشاعت	گیارہ سو
سن اشاعت	جون ۲۰۰۳ء
کمپوزنگ	عمران کمپیوٹرس مظفرنگر

فہرستِ مضامین

اپنی بات

محترم عزیزو! یہ کتاب ''کلمہ کی دعوت'' جو اللہ پاک کے کرم وفضل سے آپ کے ہاتھوں میں پہنچی ہے، اس کتاب کو آپ پڑھنا شروع کریں، اس سے پہلے میں آپ سے چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ جتنی بھی باتیں کتاب میں درج ہیں وہ ساری باتیں آپ حضرات خود اپنے کانوں سے حضرت مولانا سعد صاحب کی زبانی سن سکتے ہیں، بس اس کیلئے آپکو نیچے لکھی تین جگہ کے بیانوں کی ''آڈیو کیسٹ'' کو اپنے ٹیپ ریکارڈر پر لگانا پڑیگا، وہ کیسٹ اس نام کی ہیں:

☆ تاریخ ۲۲/اپریل ۲۰۰۰ء مقام امروہہ (یوپی) ☆ تاریخ ۲۳/اپریل ۲۰۰۰ء مقام امروہہ (یوپی) ☆ تاریخ ۱۶/نومبر ۱۹۹۸ء

یہ کیسٹ ''بستی نظام الدین میں دکان نمبر 231، اسلامک کیسٹ سینٹر، دہلی۔ 110013 سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ہاں کچھ الفاظ کا عام فہم ترجمہ البتہ کیا گیا ہے۔

۲۔ اس کتاب کے چھپوانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جس طرح سے حضرت مولانا سعد صاحب نے کلمہ کی دعوت دی ہے اُسی طرح دعوت سارے عالم میں زندہ ہوجائے۔ یہ کتاب صرف جان لینے اور بیان کرنے کے لئے ہرگز نہیں ہے۔

۳۔ ہر دعوت کا کام کرنیوالے ساتھی کے پاس مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ۱۹۶۵ء میں وفات کے بعد ''الفرقان پریس لکھنؤ'' کا چھپا حضرت جی نمبر یعنی ''تذکرہ مولانا یوسف صاحب'' نام کی کتاب ضرور رکھیں، اسکی مولانا سعد صاحب نے ہدایت دی ہے، اُس سے حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے چھ نمبر دیکھیں۔

۴۔ آخری بات یہ کہ اس وقت اللہ نے جسے عالم کی ذمہ داری اس کام کی دی ہوئی ہے، وہ اس وقت ہم سب سے کیا کہہ رہے ہیں اور کیا چاہ رہے ہیں، ہم سب بس وہی کریں۔ انکی بات کا مان لینا ہی سب کیلئے خیر کی بات ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے اگلے صفحہ میں حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ کا بتایا ہوا ایک ''اہم اصول'' درج ہے، اسے دیکھیں۔ فقط والسلام

محمد الیاس قاسمی تاریخ 16-6-2002

ایک اہم اصول

ایک بیان میں حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری صاحبؒ نے بنگلے والی مسجد کی ایک کارگذاری سناتے ہوئے فرمایا کہ بیرونِ ملک کے کچھ ذمہ دار ساتھی ایک بار حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ (مولانا انعام الحق حسن صاحبؒ) سے ایک بات پوچھنے کے لئے یہاں دہلی آئے۔ حضرت جی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے وہ آرام کررہے تھے، تو ہم نے ان ذمہ داروں سے ملاقات کی۔ ان ذمہ داروں میں سے ایک نے ہم سے کہا کہ بھائی ہمارے ملک میں جو جماعتیں آتی ہیں تو کوئی جماعت بتاتی ہے کہ کام یوں کرو اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں ایسے کرو۔ تو ہم سارے لوگ پریشان ہیں کہ کس کی بات مانیں اور کام کیسے کریں، ہر ایک بڑوں کا حوالہ دیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ میں نے خود بڑے حضرت جی (مولانا الیاس صاحبؒ) سے یوں سنا ہے، کوئی کہتا ہے کہ میں نے بڑے حضرت جی سے یوں سنا ہے، کوئی کہتا ہے کہ میں نے مولانا یوسف صاحبؒ کو یہ کہتے سنا ہے، کوئی کہتا ہے کہ مولانا یوسف صاحبؒ نے جس سے کہا میں نے اس سے سنا۔

اب ہم سارے پریشان ہیں کہ کیا کریں اور کس طرح کام کریں، کیوں کہ ہر ایک بڑوں کا حوالہ دیتا ہے۔ ہم لوگ تو حضرت جی سے صرف یہی مشورہ کرنے کے لئے آئے ہیں کہ حضرت ہم لوگوں کو بتائیں کہ ایسے موقع پر ہم لوگ کیا کریں؟ کیونکہ سارے لوگ الگ الگ بات بتلاتے ہیں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ بھائی دیکھو ہماری سمجھ میں تو یوں آرہا ہے کہ بڑوں نے جو بات کہی اس کا مطلب وہ ہوگا جو اس وقت کا امیر بتائے، اس وقت کا امیر جو بتائے وہ اُس بات کا مطلب ہمیں سمجھنا چاہئے۔

سنا آپ سب نے بھی (مجمع سے مخاطب ہوکر کہا) کہ امیر الوقت جو بتائے اس پر سب کو جمنا چاہئے۔ اس پر مثال ہم نے انہیں ابوبکر صدیقؓ والی دی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے پر چاروں طرف سے ہنگامے کھڑے ہوگئے، اب سب کی رائے یہ ہے کہ حضرت اسامہ کا لشکر ملک شام بھیجنے کے بجائے مدینہ منورہ میں ٹھہرایا جائے کیونکہ چاروں طرف سے حملہ کی خبر ہے، تو اس پر ابوبکرؓ نے سارے صحابہ کے ذہن کے اندر یہ

بات ڈالی کہ یہ تین ہزار کی جماعت کیا کرے گی جب اللہ کی مدد ہی رک جائے۔ اللہ کی مدد آئے گی تب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوری ہو کہ ''اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو''۔ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ انفروا جیش اسامة یعنی اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو۔ سنا تو یہ حضور پاک کی زبان سے سب صحابہ نے، ابوبکر صدیقؓ نے بھی یہ سنا اور دیگر صحابہ نے بھی سنا، لیکن اوروں نے اس کا مطلب کیا سمجھا اور ابوبکر صدیقؓ نے اس کا مطلب کیا سمجھا۔ اوروں نے صرف اتنا سمجھا کہ اسامہ کے لشکر کو روانہ کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے، اور امیر الوقت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہ کے لشکر کے علاوہ پورے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو نکلنے کے لئے کہہ دیا کہ سب مدینہ خالی کرو۔

یہ ابوبکر صدیقؓ نے سمجھا، اس پر سب لوگوں نے لبیک کہہ کر مان لیا۔ تو ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ اصول قیامت تک رہے گا کہ جو بات امیر الوقت کہہ دے وہ سب کو مان لینے میں ہی خیر ہے، اس کے اندر کسی قسم کا فرق نہیں کرنا چاہئے۔

تو میں نے ان سے کہا کہ اتنی بات تو میری آپ سے ہوگئی، اب حضرت جی جب اٹھیں گے تب ان کے پاس چلیں گے۔ حضرت جی بیدار ہوئے، ان سب کو لے کر ہم حضرت جی کے پاس حاضر ہوئے اور جو بات ہم نے ان لوگوں سے کہی تھی وہ بات ہم نے حضرت جی کے سامنے رکھ دی کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر لوگ الگ الگ بات بتائیں تو ہم کیا کریں؟ تو ہم نے ان سے یہ کہا کہ جو بات امیر الوقت کہے یا بتائے وہ ان کو کرنا چاہئے، تو حضرت جی نے فرمایا! کہ ہاں یہ مناسب ہے۔ اس کے بعد پھر وہ لوگ اپنے ملک واپس چلے گئے۔ تو میرے محترم دوستو بزرگو! رائے الگ الگ ہونا کوئی حرج کی بات نہیں ہے، رائے الگ الگ ہو سکتی ہیں، پر امیر الوقت جو بات کہے بس اسی بات کو مان لینے میں ہی خیر ہے۔

مولانا محمد عمر پالن پوریؒ کے بیان کا ایک حصہ

(اس بیان کی ٹیپ ریکارڈر کیسٹ محفوظ ہیں)

محمد الیاس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ ۲۲/اپریل ۲۰۰۰ء مقام امروہہ (یوپی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

میرے دوستو عزیزو، بزرگو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اللہ کے وعدوں کے یقین پر اٹھایا ہے، یہ فضائل خود اللہ کے وعدے ہیں، جتنے فضائل ہیں اعمال کے، ان فضائل کا تعلق احتساب سے ہے کہ اس کا یقین پیدا ہو کہ اللہ یہ چیزیں دیں گے، یہ فضائل احتساب ہیں۔

ہمارے ان تعلیم کے حلقوں کی حیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا وہ عمل ہے جو صحابہ کرام کے یقینوں کو بدلنے کے لئے اور ان کو مغیبات پر لانے کے لئے کیا جاتا تھا، صرف اتنی بات نہیں کہ ان فضائل کے حلقوں سے عمل کا شوق پیدا کر دینا مقصود ہو، اصل میں جو بات ہے تو یہ ہے کہ ان فضائل سے اپنے اعمال کو ترقی دینا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، مسجد میں دو حلقے لگے ہوئے تھے، ایک ذکر کا اور ایک تعلیم کا، آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ دونوں خیر پر ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے حلقے میں بیٹھ کر فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ یہ مُعَلِّمًا کا کیا مطلب ہے؟ مُعَلِّمًا کا مطلب ہے ''تَعَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فضائل صحابہ کو سنا رہے تھے وہ یقین کو سکھلانے کے لئے سنا رہے تھے، معلومات بڑھانے کے لئے نہیں سنا رہے تھے۔ اسی لئے مولانا یوسف صاحب فرماتے تھے کہ اس تعلیم کا موضوع نہ معلومات کو بڑھانا ہے نہ اپنی معلومات پر اعتماد ہے، بلکہ تعلیم کے حلقوں سے احتساب بڑھانا ہے کہ اللہ ہمیں اس پر کیا دینے والے ہیں؟

فضائل اصل میں اعمال کو ترقی دینے کے لئے ہیں، یہ صرف عمل تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں ہے، اس وقت جو بات عام لوگوں کے ذہن میں ہے وہ یہ کہ فضائل کی تعلیم سے برکتیں آئیں گی، رحمتیں آئیں گی، اس لئے فضائل کی تعلیم ہو جائے، یا یہ کہ ان فضائل کے سننے سے عمل کا شوق پیدا ہو جائے اس لئے تعلیم کر لی جائے۔

اس سطح پر بات آکر ٹھہری ہوئی ہے، لیکن کیا اس کا یقین ہے کہ جو فضائل میں سنایا جارہا ہے وہ ہوگا۔ یہ فضائل کی تعلیم احتساب کو بڑھانے کے لئے ہے، عمل پر آنا اس فضائل کی تعلیم کے پہلے دن کا نتیجہ ہے کہ فضائل سنے اور عمل پر آ گیا۔ اصل فضائل کے ذریعے سے ان اعمال پر یقین کا لانا ہے۔

اسلئے کہ میرے دوستو! دنیا میں جتنے بھی اسباب ہیں ہمیشہ اعمال کا ٹکراؤ ان اسباب سے ہوگا اور دیکھا یہ جائیگا کہ کامیابی اعمال سے لے رہے ہیں یا اسباب سے لے رہے ہیں۔

اپنے اندر اس کی استعداد پیدا کرنے کے لئے یہ فضائل ہیں۔ فضائل ہی اللہ کے وعدے ہیں۔ اپنے اندر اس کی استعداد پیدا کرنا کہ جتنے بھی شکلوں کی لائن کے اسباب ہیں اعمال کی لائن یعنی اوامر کی لائن کے اسباب انکا مقابلہ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے ہیں، اگر اعمال کی لائن کے اسباب شکلوں کی لائن کے اسباب سے مقابلہ کر رہے ہیں تب ہم کہیں گے کہ فضائل کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو وعدہ اللہ کی طرف سے کر رہے ہیں، صحابہ کرام سے اللہ کے ان وعدوں کے مذاکرے کروا رہے ہیں، اعمال کی فضیلت یعنی اس عمل پر اللہ کا یہ وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سکھلا رہے ہیں، یقین (ایمان) فضائل کے مذاکروں کے حلقوں سے۔ اصل میں اس وقت تعلیم کے ساتھ مذاکرہ ختم ہو گیا، کیا ہوا؟ کہ صرف کتاب پڑھ لینے کا نام ہم نے تعلیم رکھا ہوا ہے، اسکے بعد قرآن کے حلقے ہو گئے، اس کے بعد چھ نمبر کا مذاکرہ۔

دیکھو میرے دوستو! ایک ہوتا ہے طریقہ کار کہ بھئی تعلیم کا طریقہ یہ ہے، اس تعلیم کے تین اجزاء ہیں: تعلیم، قرآن کے حلقے اور فضائل کے مذاکرے۔ یہ ایک عمل ہوا۔ یعنی ایک

عمل کے تین اجزاء ہوئے، لیکن مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس فضائل کی تعلیم سے یہ چاہا جا رہا ہے کہ اس تعلیم کی مشق سے امت کا یقین اسباب سے اللہ کے اوامر کی طرف پھر جائے۔

رحمتیں، برکتیں، اس پر مسائل کا حل ہونا، اس میں انوارات یہ تمام چیزیں اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑی بڑی نعمتیں ہیں، بڑی چیزیں ہیں، لیکن یہ سب کے سب اس کے ساتھ موعود ہیں، اسکے ساتھ ملنے والی ہیں، یہ اس کے اثرات ہیں، اس کے مقاصد نہیں۔ مقاصد اور ہوتے ہیں، اثرات اور ہوتے ہیں۔

مقصد فضائل کا یہ ہے کہ جو تعلیم اللہ رب العزت انبیاء علیہم السلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے امت کو دے رہے ہیں، انسان کو دے رہے ہیں، وہ یقینی ہے کامیابی کے لئے، ان اسباب کے مقابلے میں جو اسباب اللہ نے دنیا میں بنا کر دیئے ہیں۔ یہ اصل میں تعلیم کا مقصد ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات کو تین تین بار فرماتے تھے، کہ آدمی ایک دفعہ اس بات کی طرف متوجہ ہوگا، دوسری دفعہ اس کو سنے گا اور تیسری دفعہ اس کو سمجھے گا۔ ہم یہ عرض کرتے ہیں بار بار کہ برکت کیلئے حدیث کا پڑھ لینا، یا صرف معلومات کو بڑھانے کیلئے حدیث کا پڑھ لینا، یا صرف معمول کی وجہ سے حدیث کا پڑھ لینا۔ میرے دوستو! برکات کا اور معمولات کا، یہ ساری چیزیں وہ ہوا کرتی ہیں جس سے اصل مقصد حاصل نہیں ہوا کرتا۔ معمول والا تو عادی ہوتا ہے کہ عادت کی تعلیم، عادت کا بیان، عادت کا گشت، اس سے کیا مقصود ہے؟ اگر وہ چیز سامنے نہ ہو تو معمول والی چیز چلتی رہتی ہے اور اس سے جو منافع اور مقاصد مطلوب ہیں جب وہ سامنے نہیں ہوتے تو اس عمل کا استخفاف اور ہلکا پن آ جاتا ہے کہ آؤ چلو تھوڑی دیر تعلیم کر لو پانچ منٹ اور دس منٹ کی، جو تعلیم ہماری مساجد میں رسمی طور پر ہو رہی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے صرف تعلیم کی کتاب پڑھ لینا ہے۔

اصل میں تعلیم کرانیوالے کی اپنے اندر کی کوشش یہ ہو کہ میرا اپنا اور سب سننے والوں کا یقین تمام شکلوں سے اللہ کے اوامر کی طرف پھر جائے، اسکے لئے تعلیم ہو رہی ہے۔

ابھی ہمارے درمیان صرف اتنی بات ہے کہ بھئی ہم تعلیم سے صرف عمل پر پڑ جائیں نہیں! میں تو ان کی بات کر رہا ہوں جو عمل پر پڑے ہوئے ہیں، جو عمل کر رہے ہیں۔ کیا ان کے یقین اسباب سے اللہ کے اوامر کی طرف پھر گئے ہیں، یا ابھی بھی اسباب کا باطل یقین دلوں میں موجود ہے۔ یہ فضائل تو میرے دوستو اعمال کی ترقی کے لئے ہیں، فضائل یقین کی تبدیلی کے لئے ہیں۔

ایک طرف یہ اسباب، اعمال اور انکے ساتھ وعدے ہیں، یہ انبیاء لے کر آئے ہیں، دوسری طرف دنیا ساری اسباب سے بھری پڑی ہے، یہ مادّی اسباب ہیں، ان فضائل کی تعلیم کے ذریعے سے اپنے یقینوں کو دنیا کی تمام شکلوں اور اسباب سے اللہ کی طرف سے آنے والے اعمال والے اسباب کی طرف پھیرنا ہے۔

اب اس تعلیم کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس تعلیم کا طریقہ یہ ہوگا، دیکھو ابو ہریرہؓ بازار میں صرف تعلیم کا اعلان نہیں کر رہے جیسا کہ ہم لوگ اپنے تعلیمی گشتوں میں یوں کہتے ہیں کہ آؤ تعلیم ہو رہی ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ یوں فرماتے تھے کہ اگر انفرادی یا اجتماعی تعلیم کی یا عمل کی دعوت دینے والے کے سامنے اس عمل کی حقیقت نہیں ہے تو خود دعوت دینے والے کو اس سے فائدہ نہ ہوگا اور دوسروں پر یہ دعوت اثر نہیں کرے گی۔ جس چیز کی یہ دعوت دے رہا ہے اس چیز کی خود اس کے اندر کیا حیثیت ہے، اسکے اپنے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے؟ صرف اتنا کہ تعلیم کا حلقہ ہو رہا ہے چلو، یا تعلیم کے حلقے کی طرف بلانے والے کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔

ہر کام کرنے والے ساتھی کو اس میں غور کرنا پڑے گا اور فرق پیدا کرنا پڑے گا۔ کیا کیفیت ہے تعلیم کی طرف بلانے والے کی۔ اس وقت تو بھئی تقریر کی حیثیت تعلیم سے زیادہ ہو گئی۔ مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں تعلیم کی حیثیت تقریر سے کہیں زیادہ تھی۔ تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ اگر ہم اس کا مفہوم بھی ادا کر رہے ہیں تب بھی ہماری ہی زبان ہے، اور اگر ہم اس کو سمجھ رہے ہیں تب بھی ہماری ہی زبان ہے۔ لیکن ابو ہریرہؓ اعلان کر رہے ہیں بازار میں کہ بازار والو! تم اتنے نکمے

ہو گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے مسجد میں اور تم یہاں ہو؟ کیا تم اتنے عاجز ہو گئے کہ جا کر اسے لے نہیں سکتے۔ ابو ہریرہؓ کا یہ تعلیمی گشت ہے، جو ہمارے یہاں تعلیمی گشت ہوتا ہے یہی وہ تعلیمی گشت ہے۔

کیونکہ اب تو تحقیقات میں ہم پڑ گئے، عمل پر تو اب اللہ ہمیں ڈالے کہ یہ کہاں سے ہے، اور یہ کہاں سے ہے۔ ابو ہریرہؓ کا تعلیمی گشت تعلیم کے وقت بازار میں گشت کرتے ہوئے ثابت ہے۔ پھر اتنا ہی نہیں کہ تعلیم کی آواز لگا دی اور فارغ ہو گئے، ابو ہریرہؓ بازار میں منتظر ہیں کہ یہ لوگ وہاں تعلیم کے حلقے میں شامل ہوتے ہیں یا واپس آتے ہیں۔ لیکن یہ جھانک کر واپس آ گئے کہ وہاں تو کوئی مال تقسیم نہیں ہو رہا ہے، پھر یہ فرمایا کہ نہیں وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے جو تعلیم کا حلقہ مسجد میں چل رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اعمال کے وعدوں کے یقین پر اٹھایا تھا۔ ہماری تعلیم کا جو مقصد ہے وہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا مقصد تھا۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا مجھے سکھلانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سکھلانے والے کا کیا مطلب ہے؟ کہ سکھلانے والا اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک سننے والا کسی درجے تک نہ پہنچ جائے۔ استاد شاگرد کو سکھلانے میں، مالک اپنے مزدور کو سکھلانے میں اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک یہ کسی درجے میں نہ پہنچ جائے۔ دیکھو میرے دوستو! ان فضائل کا سننا خاص طریقے کا سننا ہے، یہ نہیں کہ پانچ منٹ، دس منٹ تعلیم کا حلقہ ہو جائے، پھر جن کو معلومات ہو گئی ان حدیث کی وہ یوں کہے کہ ہمیں معلوم ہے یہ حدیث یوں ہے، اب کہیں اور سے پڑھو۔ نہیں! مولانا یوسف صاحبؒ کی ہدایت میں صاف طور سے لکھا ہوا ہے کہ حفظ اس تعلیم کا موضوع نہیں ہے، ان احادیث کا برکت کے لئے سن لینا یہ تعلیم کا موضوع نہیں ہے، بلکہ بار بار سننے اور بار بار سنانے اور تعلیم کے علاوہ وقت میں ان فضائل پر غور کرنے اور جو مسجد میں سن کر آئے ہوئے سے بازاری اور گھریلو اور باہر کے شعبوں کے ماحول میں اس تعلیم کو لے جانا اور اس کے یقین کی طرف بلانا، یہ اس تعلیم کا موضوع ہے۔ کہ ہم جو تعلیم مسجد میں بیٹھ کر سن کر آئے ہیں، اس تعلیم کو اب مسجد سے باہر لے کر نکلیں گے۔ اصل میں مقصود یہ تھا۔

مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس وقت جس عمل کے کرنے کا وقت آئے اس عمل سے پہلے فضائل کی مشق کرو، ہمارے فضائل کے علم کا تعلق اگر عمل سے نہیں جڑا، اصل میں ان دونوں میں فاصلہ ہے، تعلیم تعلیم کے وقت میں ہورہی ہے، عمل عمل کے وقت میں ہورہا ہے، تعلیم کا عمل سے جوڑ نہیں پیدا کیا ہوا ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ تعلیم اور عمل کا جوڑ یہ ہے کہ جو فضائل تعلیم میں سنے ہیں ان کو اتنا سنا جائے کہ عمل کے وقت وہ فضائل مستحضر ہو جائیں تاکہ اس عمل پر احتساب آجائے، وہ عمل یقین پر آجائے کہ اللہ رب العزت نماز پر یہ دینے والے ہیں اور صفِ اول پر یہ دینے والے ہیں، تکبیر اولیٰ پر یہ دینے والے ہیں اور مسجد کی طرف قدم اٹھانے پر یہ دینے والے ہیں۔

اس لئے میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تعلیم کرانے والا، اس کے اندر کا فکر، سننے والے کو یقین پر لانا ہے، یہ نہیں کہ کتاب جس کو پڑھنی آتی ہے وہ کتاب پڑھ کر سنا دے، نہیں! بلکہ کتاب پڑھنے والا کتاب پڑھنے سے پہلے یوں سوچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فضائل کے ذریعے سے اپنی امت کو اسباب کے یقین سے ہٹایا ہے، میں ان فضائل کے ذریعے سے سننے والوں اور اپنی ذات کو سب سے پہلے اسباب کے یقین سے ہٹانے کے لئے یہ تعلیم کرا رہا ہوں۔ دیکھو یہ تعلیم چلتی رہے گی، اسباب کا یقین رہے گا، یہ فضائل کی تعلیم میں بیٹھنے والے جب ان کی دنیا دعوت کے تقاضوں یا عبادت کے تقاضوں پر آئے گی تب یہ دعوت کے تقاضوں یا عبادت کے تقاضوں کو چھوڑ دیں گے، ترک کر دیں گے، اس لئے کہ یقین کی تبدیلی پر نہیں جڑے، صرف تعلیم کو عمل قرار دیا ہے۔

ہم جو بات عرض کر رہے ہیں، ذرا سا غور کرنا پڑیگا کہ آیا تعلیم کا موضوع امت کو عمل پر لانا ہے؟ یا تعلیم کا موضوع امت کے یقین کو اسباب سے ہٹا کر اللہ رب العزت کے اوامر پر لانا ہے؟ یہ تو آپ حضرات سے صاف عرض کروں کہ آپ سب کو اس میں فرق کرنا پڑے گا۔ جتنے نئے پرانے ہیں ان سب کو سوچنا پڑے گا کہ تعلیم عمل پر لانے کے لئے ہے یا تعلیم یقین کی تبدیلی کے لئے ہے۔ ایک وہ عوام الناس ہیں جو آکر آپ کی تعلیم میں

شریک ہو جائیں گے۔

ہماری مسجد وار جماعت کے یقین کی تبدیلی کے لئے یہ مسجد وار جماعت کی اپنی تعلیم ہے۔ اچھی طرح سن لیں آپ حضرات یہ بات کہ تعلیم مسجد کی ہرگز محلّہ والوں کے لئے نہیں ہے، یہ تعلیم مسجد وار جماعت کی تعلیم ہے۔ مسجد وار جماعت محلّہ والوں کو اپنی تعلیم کی دعوت تو دیگی لیکن یہ نہیں کہ جب محلّہ والے اٹھنے لگیں، یا محلّہ والے یہ تقاضہ کریں تو آپ محلّہ والوں کو دیکھ کر تعلیم ختم کر دیں۔

میں پچی بات عرض کر رہا ہوں کہ ہماری تعلیم مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ فضائل کی تعلیم ڈیڑھ گھنٹہ ہو، کم سے کم ایک گھنٹہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ ہو۔ میں یہ غور کرنے لگا کہ ہمارے ساتھی یوں کہتے ہیں کہ پانچ منٹ دس منٹ یا پندرہ منٹ سے زیادہ تحمل نہیں ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں عمل جاری ہے، تین آدمی آئے، روایت سے ثابت ہے۔ تین آدمی آئے، ایک آکر عمل میں شریک ہوا، ایک کھڑا ہو کر دیکھتا رہا اور ایک واپس چلا گیا۔ اس استعداد کی تین قسمیں انسانوں کی ہمیشہ رہیں گی، لیکن مسجد نبوی کا عمل بازار والوں کے یا باہر والوں کے تابع ہو کر نہیں چلا۔ تعلیم مسجد وار جماعت کی اپنی ہے، باہر سے ہر استعداد کے لوگ آئیں گے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بات ہے۔ وہ بھی آئیں گے جو صرف جھانک کر چلے جائیں گے، وہ بھی آئیں گے جو صرف کھڑے ہو کر دیکھیں گے، وہ بھی آئیں گے جو کچھ وقت کے لئے بیٹھیں گے، اور وہ بھی آئیں گے جو آخر تک بیٹھیں گے۔ یہ نہیں کہ مسجد وار جماعت کی تعلیم محلے والوں کے تابع ہو جائے، حالانکہ تعلیم کو مسجد وار جماعت اگر اپنی تعلیم قرار دے لے اور آنے والوں سے یوں کہے کہ تشریف رکھیں، اگر یہ پانچ منٹ تین منٹ یا ایک منٹ میں اٹھ کر جاتا ہے تو ان سے یوں کہہ دو کہ ہماری تعلیم ابھی چلے گی، آپ بیٹھنا چاہیں تو بیٹھیں۔ اس کا کیا مطلب کہ محلے والے اکتا گئے ہیں تعلیم بند کرو، یعنی میں نے اچھے اچھے کام کرنے والوں سے سنا کہ ان سے پوچھا گیا، تعلیم کتنی دیر ہو تو انھوں نے کہا کہ جتنا محلے والوں میں تحمل ہو۔ میں نے کہا بھئی یہ کیا بات ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب مسجد کے اعمال

دعوت وہ بازار والے کے تابع ہو کر چلیں گے۔ نہیں! یاد رکھو تعلیم کرانے والا پہلے تو یہ طے کرے کہ تعلیم مسجد وار جماعت کی ہے، ہم اس تعلیم کی دعوت دیں گے۔ جو لوگ تعلیم میں آ کر شریک ہوں گے وہ جتنی دیر بیٹھیں، پانچ منٹ، دس منٹ وہ بیٹھیں، ہماری اپنی تعلیم ہے، یہ مسجد وار جماعت کی، بیشک وہ وقت طے کریں گے، جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ شرکت کر سکیں، لیکن تعلیم کا عمل ہو رہا ہے مسجد وار جماعت کا، اس میں محلے والے اپنی استعداد کی بقدر بیٹھیں گے، ہم ترغیب دیں گے، اگر بیٹھتے ہیں تو ٹھیک ہے، اگر وہ اٹھ کر جاتے ہیں تو ہم ان سے یہ کہیں گے، اچھی بات ہے، ہماری تو تعلیم ابھی چلتی رہے گی۔

اب تعلیم کرانے والا ایک ایک حدیث کو تین تین بار پڑھے۔

دیکھو میرے دوستو! جب تک امت میں فضائل کا علم، نبوت والا علم، امت میں نبوت کے طریقے سے نہیں آئیگا، نبوت کا طریقہ، علم کے امت میں آنے کا یہ ہو کہ ہماری بات کا انداز ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں سوال پیدا ہو اور سننے والے کے اندر طلب پیدا ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کھڑا کیا، اس طرح کیا کہ آپ نے درخت کی ایک ٹہنی ہلائی، پتے جھڑے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیکار کاموں کیلئے نہیں آئے۔ اب پتے گرے تو کہا کہ پوچھتے کیوں نہیں ہو کہ میں نے ٹہنی کیوں ہلائی، تو صحابہ نے پوچھا آپ نے ٹہنی کیوں ہلائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ٹہنی اسلئے ہلائی ہے کہ اس سے میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جب ایک آدمی وضو کرتا ہے اس طرح، وضو کر کے اس طرح نماز ادا کرتا ہے تو اسکے گناہ اس طرح جھڑا کرتے ہیں۔ پھر سوال کھڑا کیا گیا، تابعی سے صحابی پوچھ رہے ہیں، اپنے بعد والے سے، انھوں نے بھی وہی بات ان سے بتلائی جو حضورؐ نے بتلائی تھی۔ نبوت سے امت میں علم کے آنے کا ایک راستہ ہے، ایک طریقہ ہے۔

مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ تعلیم کرانے والا ایک ایک حدیث کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، ہمیں اپنے اعمال میں فضائل کے استحضار سے حقیقت پیدا کرنی ہے۔ یہ ہے اصل میں ان فضائل کا مقصد۔

اب جو لوگ تعلیم کے اندر بیٹھے ہیں، تعلیم کے بعد ان سے اتنا کہہ دو کہ جو حدیث سنی

ہے باہر جا کر ان کے مذاکرے کرو۔ ابھی تو ہمارا مجمع فضائل سے گذر رہا ہے، ہماری اپنی تعلیم میں شرکت کرنے والوں پر محنت نہیں ہے۔

یاد رکھو میرے دوستو! تعلیم محنت نہیں ہے، اس کے ساتھ اگر یہ مذاکروں کی مشق جوڑی گئی تب یہ تعلیم عمل بنے گی۔ ابھی صرف ہماری تعلیم ہو رہی ہے کہ کتاب پڑھ کر سنا دی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رحمتیں برکتیں انوارات اپنی جگہ ہیں۔ مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ برکات اور انعامات اور اس پر جو منافع اللہ کی طرف سے موعود ہیں وہ مقصود نہیں ہیں، اصل تو مقصود اللہ کو راضی کرنا ہے۔ برکات اور انعامات، یہ تو اللہ کی طرف سے موعود ہیں جو اس پر ملیں گے، ہم اس کی نیت نہیں کرتے، ہاں ہم اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اس عمل کے پورا ہونے پر عطا فرمائیں گے۔

اس لئے عرض یہ ہے کہ آپ سب حضرات تعلیم کرانے والے اور تعلیم کرانے والوں کو ہدایت دینے والے، آپ حضرات یہ چند باتیں بالکل اچھی طرح یاد رکھیں کہ:

اول تو ان فضائل کے ذریعے ہمیں اپنے یقینوں کو بدلنا ہے، اسباب سے یقین اللہ کے اوامر کی طرف پھرے، اس کے لئے یہ فضائل ہیں۔

دیکھو حکومت اس پر یہ دے گی، اللہ رب العزت اس عمل پر یہ دیں گے، مستقل اس کا مقابلہ ہے۔ اب اپنے یقین کو فضائل کے ذریعے مخلوق سے خالق کی طرف پھیرنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی اللہ کی طرف سے وعدے لے کر آئے ہیں، وہی اعمال کے فضائل ہیں۔ احتساب کو بڑھانے کے لئے فضائل کے مذاکرے ہیں۔ اس ترتیب سے انشاء اللہ جب تعلیم کرائی جائے گی تب کہیں جا کر تعلیم کے حلقوں سے یقین بنے گا اور اعمال میں پھر ترقی ہوگی۔ اب ایک ایک حدیث کو تین تین بار ٹھہر ٹھہر کر پڑھو کیونکہ یہ تعلیم ہے، تعلیم کہتے ہیں سکھلانے کو، سننے کو تعلیم نہیں کہتے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (مجھے تو سکھلانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے)

سکھلانے والا اس وقت تک مطمئن نہیں ہوا کرتا جب تک سیکھنے والا پوری طرح سے اس چیز کو سیکھ نہ لے، کہ اس کو اطمینان ہو جائے کہ میں جسے سکھار ہا تھا اس نے سیکھ لیا ہے۔

اس لئے عرض یہ ہے کہ ایک ایک حدیث کو تین تین بار پڑھو، اس میں جو فائدہ آئے گا اسے ایک بار پڑھنا ہے، صرف حدیث تین تین بار پڑھو، یہ طریقۂ نبوت ہے امت کو تعلیم دینے کا، نبی کا طریقہ امت کو سکھلانے کا یہ ہے۔

پھر صحابہ کس طرح سنتے تھے کہ گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ ادب اور عظمت اور دھیان اور توجہ الی اللہ اور باوضو بیٹھنے کی کوشش اور ٹیک نہ لگانے کی کوشش، اس طرح جب تعلیم کے حلقے میں بیٹھا جائیگا تب حدیث کا نور اندر آئے گا۔ یہ فضائل کی تعلیم ہے، اس میں اس طرح بیٹھے جس طرح عرض کیا گیا ہے۔

آپ حضرات اپنے یہاں اس طرح سے ہدایت دیں تعلیم کی، تاکہ تعلیم کا عمل مکمل ہو۔ اس تعلیم کے ساتھ مشق، حدیث کو تین تین بار پڑھنا، اس میں باوضو باادب اللہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ صرف پڑھنا ہی ذکر نہیں ہے سننا بھی ذکر ہے، جو شرائط اور کیفیت ذکر کرنے والے کی ہونی چاہئے وہی شرائط اور وہی کیفیت سننے والے کی ہونی چاہئے۔ جب حدیث پڑھی جائے اس وقت کا ذکر یہ ہے کہ خاموش ہو کر صرف سنا جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ ۲۳؍اپریل ۲۰۰۰ء مقام امروہہ (یوپی)

میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! یہ کلمے کی دعوت اور کلمے کی محنت یہ انبیاء کی بعثت کا مقصد ہے۔ ہماری ساری محنت کی بنیاد کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے یقین پر امت کو لانا ہے۔ ہر زمانے میں ہر نبی نے کام کیا ہے، کام کی بنیاد کیا ہے؟ جو اسباب قوموں کے پاس ہیں اگر ان اسباب سے کوئی اختلاف نہ ہو تو انبیاء کی اپنی قوم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ لیکن ہر زمانے میں ہر نبی کی آواز قوم کی آواز کے خلاف رہی ہے، ہر زمانے میں ہر نبی کا کلمہ ایک رہا ہے: کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لیکن کسی زمانے کے پیشے والوں کی محنت سے یا ان کے اسباب سے کلمہ کی کبھی موافقت نہیں ہوئی۔

اگر دعوت دینے والوں کا کلمہ اسباب کے موافق ہو جائے تو پھر یہ دعوت والی محنت نہیں ہے۔ انبیاء کا اپنی اپنی قوموں کے ساتھ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امت کے ساتھ معاملہ ہی سارا کلمہ پر ہے۔ اللہ رب العزت کی قدرت سے فائدہ اٹھانے کے اسباب اور کائناتی نقشوں سے فائدہ اٹھانے کے اسباب، یہ دو چیزیں بالکل مقابلے کی ہیں، دونوں ٹکر کی ہیں۔

ہماری ساری محنت کا خلاصہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے: یہ مذاکرے، یہ سہ روزہ، یہ گشت، یہ تعلیم، یہ مشورہ۔ اگرچہ میرے دوستو بات تو سخت ہے، کیوں کہ بات یہ ہے کہ یہ ساری نقل وحرکت اگر اس بنیاد سے ہٹی ہوئی ہے تو سراسر فتنہ ہے، سراسر دھوکا ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر گشتوں میں یقینوں کی تبدیلی کی محنت نہیں ہے، اگر گشتوں سے یقینوں کی تبدیلی کی محنت اور مقصد نہیں ہے تو سراسر فتنہ ہے۔

داعی کے دعوت دینے کی کوئی بنیاد نہیں سوائے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے۔ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں جس قسم کے اسباب۔

اسباب دو قسم کے ہیں:

ایک اسباب وہ ہیں جو اللہ نے بنائے ہیں، جس میں کسی مخلوق کا ہاتھ نہیں لگا۔

ایک اسباب وہ ہیں جس میں مخلوق کا ہاتھ لگا ہے۔

متحرک اور غیر متحرک دونوں قسم کے اسباب ہیں، کچھ اسباب وہ ہیں جو محض اللہ نے اپنی قدرت سے تن تنہا بنائے ہیں، کچھ اسباب وہ ملیں گے جس میں کسی درجے میں مخلوق کا ہاتھ لگ رہا ہے۔ اگر یہ بات ہے کہ ان اسباب کا جو اللہ نے بنائے ہیں آسمان، چاند، اور سورج اور وہ اسباب جو اَب بنے ہیں یا آئندہ بنیں گے، ان سے اس درجے کا انکار نہیں جس طرح سے بتوں کا ہے۔ جس درجے کا انکار ابراہیمؑ نے بتوں کا کیا ہے، اگر اس درجے کا انکار تمام اسباب کا نہیں۔ جو اسباب جدید ہیں یا قدیم ہیں، جو اسباب انسان کے ہاتھوں سے بنے ہیں یا جو اسباب اللہ کی ذاتِ عالی سے بنے ہیں، اگر ان سب سے انکار ایک طرح کا نہیں ہے تو خدا کی قسم اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوتا۔

اصل میں دعوت کیوں دی جا رہی ہے؟ امت کو اس طرف کیوں بلایا جا رہا ہے؟ دعوت کی محنت کیوں ہے؟

مولانا یوسف صاحبؒ کی بات کی ابتدا یہ ہوتی تھی کہ قدرت سے فائدہ اٹھانے کے اسباب اور کائنات سے فائدہ اٹھانے کے اسباب۔

بات یہ ہے کہ اعمال پر اجر اور اعمال پر استقامت بغیر ایمان کے بالکل ممکن نہیں ہے، نہ اعمال پر اجر اور اعمال پر استقامت بلکہ نیت کی خرابی کی وجہ اور غیر اللہ کی نیت ہونے کی وجہ جو بتلائی گئی ہے وہ صرف ایمان کا ضعف بتلایا گیا ہے، کہ ایمان کے ضعف سے نیت اللہ کے غیر کی ہو جاتی ہے۔

عالم، سخی اور شہید جن کو جہنم میں سب سے پہلے ڈالا جائیگا، یہ سب سے بڑے بڑے اعمال والے ہیں۔ یہ سب سے بڑے بڑے اعمال والے سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ جہنم دہکائی جائیگی انھیں سے۔ یہ جہنم کی لکڑیاں ہیں، یہ جہنم کے دہکانے کا سامان ہیں، یہ بڑے بڑے اعمال۔

صرف اسی وجہ سے مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ صرف ایمان کے ضعف

سے نیت اللہ کے غیر کی ہو گئی۔ اس لئے میرے دوستو! سب سے پہلی چیز اور بنیادی بات جو کام کی بنیاد ہے، کام کا مقصد ہے، وہ تمام انسانوں کے یقینوں کو تمام اسباب سے اور تمام شکلوں سے اللہ کے اوامر کی طرف پھیرنا، یہ کام کا مقصد ہے۔ یہی کام کی بنیاد ہے۔ اعمال اس کا ثمرہ ہے، اعمال اس کے نتائج ہیں۔ اگر یقین کی تبدیلی سے محنت کی بنیادیں ہٹ گئی ہیں، اگر یقین کی تبدیلی سامنے نہیں ہے اور صرف اعمال سامنے ہیں تو بات سخت ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے اگر یقین کی تبدیلی کے ساتھ اعمال کی محنت نہیں ہے اور یقین کی تبدیلی پر اعمال کا معیار قائم نہیں کیا جا رہا ہے۔ احتساب پر، اجر پر، اللہ کی وعدوں کے یقین پر، اور اللہ کے تمام اوامر کے اسباب کے مقابلے میں دنیا کے تمام اسباب کو ناکارہ قرار یقین کرتے ہوئے کام کرنے والے نہیں چل رہے ہیں تو یہ فرماتے تھے کہ یہ بڑے بڑے اعمال جہنم کی بڑی بڑی سزاؤں کا ذریعہ بنیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اس روایت کو بیان کرنے میں جو مضطرب ہیں، وہ اپنے اعمال سامنے رکھ کر مضطرب ہیں۔ صحابہ کا ایمان نمونہ ہے، اس ایمان پر یہ اعمال کر کے اتنا خوف ہے کہ بار بار کی بیہوشی اور اضطراب اور بے چینی۔

ہر نبی نے آ کر سب سے پہلے معیار قائم کیا ایمان کا۔ صحابہؓ خود فرماتے ہیں، ہم نے ایمان سیکھا قرآن سیکھنے سے پہلے۔

ایمان کس کو کہتے ہیں؟ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر اللہ رب العزت کی خبروں کو یقینی ماننا ایمان کا لغوی ترجمہ ہے؟ لغت میں ایمان کسے کہتے ہیں؟ کسی کی خبر کو خبر دینے والے کے اعتماد پر یقینی بنانا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر اور تمام نواہی کو یقینی ماننا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر، یہ ترجمہ ہوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا۔

جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اس سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر یقینی ماننا، یہ ایمان کہلاتا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کو موسیٰ کے اعتماد پر یا ابراہیمؑ کے اعتماد پر یقینی مان رہا ہے تب بھی ایمان کامل نہیں

ہوگا، جو شریعت محمدی ہے اس کے ہر جز کو اس کے ہر امر کو وہ خواہ کسی شعبے سے متعلق ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر یقینی ماننا تب ایمان کامل ہوگا۔ اسلئے عرض یہ ہے کہ دعوت کا اپنا خاصہ یقین کو ترقی دینا ہے، یقین کو پیدا کرنا ہے، ہمارے دعوت دینے کا مقصود وہ یقینوں کی تبدیلی ہے۔ اگر یہ یقین کی تبدیلی وجود میں آجائے اس محنت سے تب اعمال کا معیار قائم ہوگا۔ عبادت کا، معاملات کا، معاشرت کا، اخلاق کا، ان تمام چیزوں کا معیار قائم ہوگا ایمان پر۔ اسلئے بات کیا ہے، بات یہ ہے کہ مستقل لڑائی ہوگی یقینی اسباب اور غیر یقینی اسباب سے، اللہ کے اوامر والے اسباب اور اسکے مقابلے میں دنیاوی اسباب، مادی اسباب اور اعمال کی لائن کے اسباب، ان کا ہر وقت ٹکراؤ ہوگا ہر وقت مقابلہ ہوگا۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! یہ سوچنا کہ اللہ نے یہ اسباب بنائے ہیں ہمارے لئے نہیں! بلکہ بات یہ ہے کہ اسباب اس لئے نہیں ہیں کہ ہم یوں کہیں کہ دنیا دار الاسباب ہے اس لئے کرو سبب اختیار۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! ہم تو اپنے خواص کو، عوام کو، پرانوں کو اور نیوں کو، سب کو اس رخ کی طرف لانا چاہتے ہیں کہ یقینی اسباب اللہ کے اوامر ہیں، غیر یقینی اسباب دنیا کی ساری شکلیں ہیں۔ اب اپنے یقینوں کو غیر یقینی اسباب سے یقینی اسباب کی طرف پھیرنا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ دنیا دار الاسباب ہے بحیثیت کارخانوں کے، باعتبار زمینوں کے، باعتبار حکومتوں کے، باعتبار زراعتوں اور ملازمتوں کے، باعتبار ہتھیاروں اور دواؤں کے۔

مولانا یوسف صاحبؒ یوں فرماتے تھے کہ بس انبیاء کی لڑائی ان کی اپنی قوموں سے یہی تھی کہ انبیاء قوموں سے یوں کہتے تھے کہ دنیا دار الاسباب بحیثیت اللہ کے اوامر کے ہے، اللہ پر ایمان لانے والوں لئے، اور دنیا دار الاسباب بحیثیت چیزوں اور شکلوں کے ہے اللہ کی ذات کا انکار کرنے والوں کیلئے۔ اب بالکل تقسیم ہوجائیگی کہ دنیا دار الاسباب ہے لیکن بحیثیت اعمال کے ہے ہمارے لئے، دنیا دار الاسباب بحیثیت اعمال ہے۔ ہم یہ بول رہے ہیں کہ دنیا دار الاسباب بحیثیت زمین کے، بحیثیت ملازمت کے، بحیثیت تجارت کے، بحیثیت کارخانوں کے، بحیثیت حکومتوں کے۔

میرے دوستو، بزرگو! ہر نبی کی دعوت پر دنیا کے دار الاسباب ہونے کے اعتبار سے ہی ان کی قوموں کی ہلاکت ہوئی ہے۔ قومِ شعیب تجارت میں ہلاک ہوئی ہے، بحیثیت تجارت کو دار الاسباب قرار دینے پر۔ نوحؑ کی قوم ہلاک ہوئی ہے اکثریت کو بنیاد بنانے کی وجہ سے۔ قومِ سبا ناکام ہوئی ہے باغات میں، باغات کو اسباب بنانے کی وجہ سے۔ قومِ صالح ناکام ہوئی ہے صنعتوں کو اسباب بنانے کی وجہ سے۔

بالکل الگ الگ راستے ہیں، انبیاء اپنے ساتھ اللہ کے یہاں سے اللہ کے اوامر لیکر آتے ہیں۔ ان کے ساتھ اسباب ہوتے ہیں اللہ کے اوامر کی لائن کے۔ ان کی قوموں کے ساتھ اسباب ہوتے ہیں دنیا کی شکلوں کی لائن کے۔ اب ان دونوں اسباب کا مقابلہ ہوتا ہے، انبیاء دعوت کے ذریعے سے ان کے یقین کو ان کے اسباب سے اپنے ساتھ لائے ہوئے اسباب کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں، قوم اپنے اپنے اسباب پر ضد کرتی ہے کہ ہم اپنے اسباب پر جمے ہوئے ہیں۔ مقابلہ یہاں سے ہوتا ہے۔ اگر انبیاء کی آواز قوم کی آواز کے موافق ہوجاتی تو کسی نبی کا اپنی قوم کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تھا۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! ہم دعوت میں چل رہے ہیں اسباب سے دوستی کرکے، اس لئے معیار اعمال کا وہ قائم نہیں ہو رہا ہے جو ہونا چاہئے۔ امت صرف اعمال پر آجائے تجی یاد رکھو یہ ہماری منتہا نہیں ہے۔ ہمارا مقصد، ہماری منزل، ہمارا نشانہ تو یہ ہے کہ ہر امتی اللہ رب العزت کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے اوامر لائے ہیں، اپنے یقین کو اسباب سے ان اوامر کی طرف پھیر لے، یہ ہماری منزل ہے، یہ ہمارا کام ہے۔ صرف اعمال پر آجانا ایک درجہ ہے۔ اعمال پر آجانا، اعمال پر لے آنا یہ ایک درجہ ہے، اصل محنت یقین کی تبدیلی کی ہے کہ آیا نماز عمل میں آئی یا یقین میں آئی۔ ہماری جو محنت ہے دوستو، بزرگو اس محنت کا امتیاز ہی یہی ہے کہ ہم امت کو اعمال کے یقین پر لانا چاہتے ہیں، اب اعمال والوں کو بھی دعوت دیں گے، یہ نہیں کہ جو عمل پر آگئے ان سے ہمارا کام پورا ہوگیا، جو عمل پر نہیں آئے ان پر ہم محنت کریں گے۔ ہماری محنت اعمال کے یقین پر لانے کی ہے، اب دعوت کا جو اپنا خاصہ ہے، یقین کی تبدیلی کا، وہ ہر عمل کرنے والا بھی اس کی دعوت دیگا،

اور ہر عمل کرنے والا اس دعوت کو سنے گا، خواہ آدمی عمل کرتا ہو یا عمل نہ کرتا ہو۔ ہر ایک دعوت دینے کا محتاج ہوگا، اس لئے کہ دعوت کا اپنا خاصہ وہ یقین کی تبدیلی ہے، دعوت کا اپنا خاصہ یقین کی تبدیلی ہے، عمل پر آئے، یقین پر نہ آئے، تو عمل پر استقامت نہ ہوگی۔

ہماری محنت کا مقصد دوستو، بزرگو! وہ سارے عالم کے انسانوں کو دنیا کی تمام شکلوں سے اور اسباب سے اللہ رب العزت کے اوامر کے اسباب ہونے کی طرف پھیرنا ہے۔ یہ ہماری محنت کا مقصد ہے۔ اگر یہ مقصد ہمارے سامنے نہیں، اب داعی کے دعوت دینے کی استقامت کی کوئی بنیاد نہیں کہ کس بات پر دعوت دے۔ اصل میں دعوت خود داعی کے لئے ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب داعی ایک چیز کی دعوت دینی شروع کریگا تو اس دعوت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی کی طرف بڑھے گا، آپ والے طریقوں کی طرف بڑھے گا، دعوت کا اپنا خاصہ یقین کی تبدیلی ہے، دعوت دینے والا اپنے یقین کی تبدیلی کے لئے دعوت دے رہا ہے، دعوت اصل میں یقین کی تبدیلی کے لئے ہے۔ دعوت پر استقامت کی جو وجہ ہے، انبیاء دعوت میں بصیرت پر ہوتے ہیں، ان کی دعوت یہ نہیں کہ جو بات سنے تو ان کو سنائے جو نہ سنے ان سے اعراض کرے، نہیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے انبیاء وہ دعوت میں اتنی بصیرت پر ہوتے تھے کہ رکاوٹیں، اور ان کی دعوت کا رد کر دینا، ان کی بات کا نہ سننا ان کو دعوت سے پیچھے نہ ہٹاتا تھا۔ کہ رکاوٹ آ گئی تو کام چھوڑ دو، نہیں! کام کرنے والے بصیرت پر ہوں کہ میں اس کام سے کامیابی یقینی سمجھتا ہوں، کہ نبی دعوت میں بصیرت پر ہوتے ہیں۔ اب بصیرت پر کون، میں بصیرت پر اور جو میرا اعتبار کرے وہ بصیرت پر ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔ میرے دوستو، بزرگو! کام کرنے والوں کو بھی کام کے ذریعے سے اپنے مسائل کے حل کا یقین نہیں۔ بات یہ کہ ہم اپنے کام کے ساتھ اسباب کو جوڑ کر چل رہے ہیں کہ کام سر آنکھوں پر، بڑا اچھا کام ہے کہ اس سے لوگ اعمال پر آ رہے ہیں، تسبیحات پر آ رہے ہیں، ذکر و تلاوت پر آ رہے ہیں۔

میرے دوستو، بزرگو! سوال اس بات کا ہے کہ یہ اعمال کی شکلوں پر آ رہے ہیں یا ان

کی حقیقت پر آ رہے ہیں۔

ایک اعمال کی شکل ہے، ایک اعمال کی حقیقت ہے۔ شکل کا شکل سے جب مقابلہ ہوگا تو یہ اعمال کی شکل والا ناکام ہو جائے گا کہ نماز کی شکل کے مقابلے میں دکان کی شکل آئے گی تو دکان کی شکل کیلئے نماز کی شکل چھوڑ دیگا۔ ابھی ہم جس سطح پر آئے ہیں میرے دوستو اور بزرگو یہ اعمال کی شکل ہے، شکل سے شکل کا جب مقابلہ ہوگا تو دو قسم کی شکلیں ہیں: ایک کاروباری شکلیں ہیں، حکومتی شکلیں ہیں، اور ایک اس کے مقابلے میں اللہ کے اوامر کی شکلیں ہیں۔ جب شکل کا مقابلہ شکل سے ہوتا ہے تو آدمی دنیاوی تقاضوں کی وجہ سے دعوت اور عبادت کے تقاضوں کو چھوڑ دیتا ہے، اس لئے کہ شکل کے مقابلے میں شکل آئی ہے۔ حقیقت کے مقابلے میں جب شکل آیا کرتی ہے تو شکل کو چھوڑ دیا جاتا ہے، حقیقت کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔ ہم اعمال کی شکل پر چل رہے ہیں، اس لئے جب اعمال کی شکل کے مقابلے میں اسباب آتے ہیں تو ہم یوں کہتے ہیں کہ ہاں یہ اعمال آخرت میں کام آنے والے ہیں، لیکن دنیا کا نظام اسباب پر چلے گا۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ان اسباب پر اٹھایا تھا جو اسباب یقینی تھے۔ دنیاوی اسباب پر صحابہ کرام کو نہیں اٹھایا، جن کو اللہ نے دنیاوی اسباب دیئے ان کو ان کے چلانے کے طریقے ضرور بتلائے، لیکن یہ نہیں کہ آپ نے ان کی تشکیلیں اور آپ نے ان کو ترغیب دنیاوی اسباب کی دی ہے، نہیں! بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھایا تھا اور ان کی تربیت کی تھی۔

تَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ۔ ان کو پہلے ایمان سکھلایا تھا۔ ایمان کیسے سکھلایا تھا؟ کہ ان سے مشق کرائی تھی اس پر کہ تم اپنی حاجت پر نماز کتنی بار ادا کرتے ہو، اور اپنی حاجت پر سبب کتنی بار استعمال کرتے ہو، بالکل واضح فرق بتلایا، بالکل ظاہری فرق بتلایا، دونوں میں کہ تم اپنی حاجت پر اعمال اختیار کرتے ہو یا اسباب، اس لئے کہ اسباب والے موجود تھے، اعمال والے بہت کم تھے، اعمال والوں کو اسباب والوں کے مقابلے پر لائیں۔ جب کوئی شکایت لے کر آتا تھا، اپنی کوئی حاجت، اپنی کوئی بیماری، اپنا کوئی مقدمہ،

اپنا کوئی بھی مسئلہ لے کر جب حاضر ہوتا تھا تو اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لائے ہوئے اللہ کے اوامر بتلایا کرتے تھے۔ دیکھ تیرے اس مرض کیلئے یہ نماز، تیرے فقر کیلئے یہ آیات۔ یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو دنیاوی اسباب بتلائے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ یوں فرماتے تھے کہ اب تو ہم نے تقسیم کر لی ہے کہ اعمال کام آئیں گے آخرت میں، اور اسباب کام آئیں گے دنیا میں، یہ اسباب اللہ نے بیکار تھوڑے ہی بنائے ہیں، کر وان اسباب کو اختیار۔ نہیں! میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! دنیا دارالاسباب بحیثیت اللہ کے اوامر کے ہمارے لئے، اور دنیا دارالاسباب بحیثیت چیزوں اور شکلوں کے غیروں کیلئے۔ یہ سبق یاد کرنا پڑے گا کہ:

دنیا دارالاسباب بحیثیت اوامر کے ہمارے لئے، دنیا دارالاسباب بحیثیت شکلوں کے اللہ کو نہ ماننے والوں کے لئے۔

آج دنیا بھر میں پھر کر دیکھ لیں، جتنا اسباب کا ڈھیر اپنے نہ ماننے والوں پر لگایا ہے، اللہ نے وہ اسباب ایمان والوں کو نہیں دیئے۔ سب سے کم اسباب ہوں گے انکے پاس جو اللہ کو ماننے والے ہیں، بلکہ اتنا ہی نہیں، جب اللہ رب العزت کسی نبی سے کام لینے کا ارادہ فرماتے ہیں تو انکے اسباب کو کم سے کم کرتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جو سبب ان کے ہاتھ میں رہ جاتا ہے اسکو اتنی بھیانک شکل عطا فرماتے ہیں اور اتنی بھیانک شکل اسے دیتے ہیں کہ وہ جو اس اسباب کے منافع اور اس اسباب کے فوئد اور ان سے اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کی تفصیل بیان کرتے ہیں، وہ اب ان اسباب سے ڈر کر بھاگتے ہیں، اور اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ موسیٰ پر انکے سبب کو اتنا بھیانک بنایا، اتنا بھیانک انکے سبب کو بنایا کہ وہی نہیں جنکے پاس اسباب تھے وہ بھی ڈرے، اور جنکے ہاتھ میں یہ سبب تھا وہ بھی ڈرے۔

بات یہ ہے کہ بات یہاں سے چلے گی کہ انبیاء اللہ رب العزت کے یہاں دعوت دینے والے کب شمار کئے جاتے ہیں؟ انتخاب اللہ کی طرف سے اس پر ہوتا ہے کہ دیکھیں تم اسباب کا کتنا یقین لے کر چل رہے ہو، اسباب کا کتنا تاثر لے کر چل رہے ہو۔ اگر اسباب کے تاثر سے چل رہے ہو۔

اَنِّیْ لَا یُخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ کہ ہمارے یہاں کام کی شرطوں میں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم جس کام کے لیے بھیجیں اس میں اسباب کا خوف بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تمھیں جس کام کیلئے بھیج رہے ہیں اس میں اسباب کا خوف کسی درجے میں نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اب یہ ہو رہا ہے کہ بھائی کوئی پرانی بات کریگا کہ بات شروع ہوگی معاشرے سے۔ کوئی یوں کہے گا کہ یہاں معاملات میں بڑی کمی ہے تو بات شروع ہو جائے گی معاملات سے، کوئی کہے گا کہ مجمع اس قسم کا ہے لہٰذا بات کی جائے اخلاق کی بنیاد پر، تو بات شروع ہو جائے گی اخلاق سے، مولانا یوسف صاحبؒ اس کوشش میں تھے کہ ہمارا مجمع اور ہمارا عملہ اس کی ہر مجلس کی ابتدا ایمان سے ہو۔ جب وہ بنیاد سامنے نہیں جس بنیاد پر اعمال کا معیار قائم ہوگا، اخلاق اور معاشرے کا معیار قائم ہوگا، عبادت اور معاملات کا معیار قائم ہوگا۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! صرف اعمال سے تم باطل کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتے۔ باطل آئیگا علم کے مقابلے میں تو علم چھوڑ دو گے، باطل آئیگا ذکر کے مقابلے میں تو ذکر چھوڑ دو گے، باطل آئیگا نماز کے مقابلے میں تو نماز چھوڑ دو گے، باطل آئیگا اخلاص کے مقابلے میں تو اخلاص چھوڑ دو گے، باطل آئے گا اکرام کے مقابلے میں تو اکرام چھوڑ دو گے۔

مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ غیروں کے مقابلے میں مسلمانوں کو عمل سے نہیں چمکایا جائیگا یقین سے چمکایا جائے گا۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! بات یہ ہے کہ بھئی بات ٹھیک ہے کہ تمہاری مسجد میں سو فیصد نمازی ہو گئے، لیکن ان سو فیصد نمازیوں کی نماز وہاں تک ہے جہاں تک کوئی دنیا کا سبب، کوئی قوت، کوئی مخلوق ان کے مقابلے میں نہ آ جائے، اس لئے کہ ہم نے عمل سیکھا یقین نہیں سیکھا۔ اب حکومتیں آئیں گی علم کے مقابلے پر، پر تمہارے پاس کوئی مقابلے کی چیز نہیں، تم یوں کہو گے کہ چار باتیں ہم تمھاری مان لیتے ہیں اور چار باتیں تم ہماری مان لو، خدا کی قسم یہ ناکامی کا راستہ ہے۔ کسی نبی نے آ کر اپنی قوم سے اللہ کے اوامر کے مقابلے میں کبھی دوستی نہیں کی، ہم اس پر چل رہے ہیں کہ چلو چار باتیں ہم تمھاری مان لیتے ہیں

اور چار باتیں تم ہماری مان لو۔

طائف کے قبیلے ثقیف نے آ کر کہا کہ اچھا ہم اس بات پر اسلام لاتے ہیں کہ ہم ایک سال تک اپنے بت کو باقی رکھیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ہم ایک منٹ بھی اس کو باقی نہیں رکھیں گے، ہاں یہ نہیں ہوگا کہ شرک کے ساتھ اعمال کو کرو۔ وہ نماز پر راضی ہو گئے تھے لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ ہمارا بت باقی رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! تمھارا بت ہم تڑوائیں گے، کہ اعمال کے ساتھ شرک نہیں چلے گا۔ انھوں نے کہا جی ٹھیک ہے، پر ہماری قوم ابھی اس سے مانوس نہیں ہے، جب قوم مانوس ہو جائے گی تب بت توڑ دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ تو پہلے دن ہی کرنا پڑے گا۔

اب بات کیا ہے؟ میرے دوستو! سچی بات یہ ہے کہ تم حکومت کے یقین کے ساتھ اعمال کرلو گے، تم حکومت کے یقین کے ساتھ تلاوت کرلو گے، حکومت کے یقین کے ساتھ تم ذکر تسبیح پوری کرلو گے، لیکن جب اعمال کے مقابلے میں باطل طاقتیں آئیں گی تو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اعمال والے اعمال چھوڑ دیں گے، ذکر والے ذکر چھوڑ دیں گے، علم والے علم چھوڑ دیں گے۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ باطل کے مقابلے پر عمل نہیں آیا کرتا بلکہ باطل کے مقابلے پر یقین آیا کرتا ہے۔ پھر جو اعمال یقین والے ہوں گے وہ مقابلہ کریں گے تمام اسباب کا۔ یقین والے اعمال کریں گے مقابلہ اسباب کا، ورنہ اعمال کا اسباب سے کوئی مقابلہ نہیں۔ اس لئے کہ اس کے پاس عمل کی شکل ہے اور اس کے پاس کارخانے کی شکل ہے۔ شکل کے مقابلے پر شکل آ گئی، جب شکل کے مقابلے پر شکل آئے گی تو اس میں سے ایک شکل کو چھوڑ دیا جائے گا۔ کون سی شکل کو چھوڑا جائیگا؟ جو شکل موعود ہے کہ نماز پر اللہ یہ دیں گے، یہ موجود شکل کو اختیار کریگا، موعود شکل کو چھوڑ دیگا۔

موجود شکل کیا ہے؟ موجود شکل کارخانے ہیں، دکانیں ہیں، ملازمت ہے، زمینیں ہیں، حکومتیں ہیں، زراعتیں ہیں، سرمایہ داریوں کے نقشے ہیں۔ یہ تمام کی تمام موجود شکلیں ہیں، اور موعود شکلیں کیا ہیں؟ یہ نماز ہے، ذکر ہے، تلاوت ہے، یہ اعمالِ صالحہ ہے، یہ ساری کی ساری موعود شکلیں ہیں۔ اگر یقین نہ بدلے گئے تو موجود شکلوں کے مقابلے

میں موعود شکلوں کو چھوڑ دیا جائیگا۔

اس لئے امت کے اندر جو دین آ رہا ہے وہ ناقص آ رہا ہے۔ اس ناقص دین پر اللہ کے وعدے نہ کبھی پورے ہوئے ہیں نہ کبھی پورے ہوں گے۔ اس لئے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! کامیابی کا جو وعدہ ہے وہ کامل دین پر ہے، ہمارا دین جزوی ہے، اس لئے کہ دین ہماری زندگیوں میں دعوت کے راستے سے نہیں آ رہا ہے۔ ہم دعوت دیتے ہیں اعمال کی، دیکھو مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب دعوت دی جائیگی ایمان کی تب دین یقین کے راستے سے زندگیوں میں آئیگا، ہم بلا رہے ہیں صرف اعمال کی طرف۔

حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کا درجہ بعد میں آیا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اذان میں پہلے ہے، بڑائی پر پہلے بلایا، الوہیت پر پہلے بلایا، شہادت پر پہلے بلایا، کہ اگر تم عمل سے پہلے یقین پر نہیں بلاؤ گے تو اس عمل پر استقامت نہ ہوگی، اور اگر یہ اس عمل پر ہے تو موجود شکل موعود شکل کو آ کر ختم کر دے گی۔ دیکھو میرے دوستو! اگر یقین نہیں سیکھا تو ہمارا دین جزوی ہوگا، جزوی دین کسے کہتے ہیں؟ جزوی دین اس کو کہتے ہیں کہ ہم دنیا کے ساتھ مل کر اپنے لئے ایک دین مرتب کرلیں کہ میرے ماحول میں اتنے دین پر چلنا مناسب ہے۔

یہ حالت کا دین، یہ ماحول کا دین، یہ سیاست کا دین، یہ سارے کے سارے دین وقتی ہیں۔ یہ سارے کے سارے دین جزوی ہیں، اس پر نہ کبھی اللہ نے کامیاب کیا ہے اور نہ کبھی کریں گے۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! کامل دین وہ ہے جو ایمان کے تقاضے پر ہو۔ ایک دین وہ ہے جو ایمان کے تقاضے پر آئیگا، جو دین ایمان کے تقاضے پر آئیگا وہ دین ماحول کو نہیں دیکھے گا، وہ دین حالات کو نہیں دیکھے گا، وہ دین حکومتوں اور تاجروں کو نہیں دیکھے گا، کیونکہ دین آ رہا ہے اندر کے تقاضے پر، ماحول سے ایمان والا دین ٹکرایا کرتا ہے، بغیر ایمان والا دین کبھی ماحول سے نہیں ٹکرائے گا بلکہ بغیر ایمان والا دین ماحول کا پابند ہو کر چلے گا۔ اس

لئے ہمارا دین جزوی ہے کہ ہمیں اپنے دین سے کامیابی کا یقین نہیں، اسلئے ہمارا دین جزوی ہے۔

کامل دین کسے کہتے ہیں؟ کامل دین اسکو کہتے ہیں کہ میرا اللہ مجھ سے اس وقت کیا چاہ رہا ہے، کہ جو میرا اللہ مجھ سے اس وقت چاہ رہا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق اس وقت ہو رہا ہے کہ نہیں ہو رہا ہے، اس کا نام دین ہے۔

اب بات کیا ہے؟ اب بات یہ ہے کہ سب سے پہلا کام دعوت کے ذریعے سے اپنے یقینوں کو بنانا ہے، دعوت اصل میں یقین کی تبدیلی کے لئے ہے، اور دعوت خود داعی کے لئے ہے، دعوت کس کے لئے ہے؟ دعوت خود داعی کے لئے ہے، دعوت مدعو کے لئے بعد کا درجہ ہے، دعوت خود داعی کے لئے ہے۔ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت خود اپنے یقین کی تبدیلی کیلئے ہے۔

ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ دعوت ہے دوسروں کے لئے۔ میں نمازی ہو گیا اب میری دعوت بے نمازیوں کیلئے ہے، میں ذاکر ہو گیا اب میری دعوت غافلوں کیلئے ہے، میں عالم ہو گیا اب میری دعوت جاہلوں کیلئے ہے، میں اچھے اخلاق والا ہو گیا اب میری دعوت بداخلاق والوں کیلئے ہے۔

نہیں، میرے دوستو! یہ بات نہیں ہے، بلکہ دعوت ہمیشہ خود داعی کے لئے ہے، جس طرح تاجر کی تجارت خود تاجر کے لئے ہے، اس کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے، بالکل اسی طرح داعی کی دعوت خود اپنی ذات کے لئے ہے، اس کا نفع دوسروں کو پہنچے گا۔

تو کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اپنے یقین کی تبدیلی کے لئے ہے، جتنا اس کلمے کی طرف بلائیگا، جتنا اس کی دعوت دے گا، اس کے بقدر اس کا یقین اللہ کے غیر سے اللہ کی ذاتِ عالی کی طرف پھرے گا۔

اب تک ہمارا خیال یہ تھا کہ میں عمل کر رہا ہوں اب دوسروں کو دعوت دیں، نہیں! بلکہ اگر اس کی دعوت دوسروں کے لئے ہو گئی تو پھر میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! اپنی اصلاح کی نیت نہ رہے گی، بلکہ دوسروں کی اصلاح کی نیت ہو جائیگی۔ ہم باوجود سالانہ چار مہینوں

کے، باوجود چلوں کے، باوجود سہ روزہ کے، باوجود گشتوں کے، باوجود تعلیم کے، باوجود دعوت دینے کے، ہم کیوں کام میں ترقی نہیں کر رہے ہیں؟ ہمارے اپنے یقینوں میں ترقی کیوں نہیں؟ بھئی اب بات اصل میں یہاں آ کر ٹھہر گئی کہ کام کرنے والے امت کو اعمال پر آتے دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں بنگلے والی مسجد میں بہار والے آئے، بہار والوں نے بتایا کہ جی ہمارے یہاں اتنے فیصدی لوگ نمازی ہو گئے، بس دس فیصد لوگ رہ گئے ہیں، ان پر محنت باقی ہے۔ میں نے کہا بھئی اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تبلیغ تو ہو گئی ختم، کیونکہ اب تک تمہارے سامنے عمل کی فیصد والے آئے، یقین کی فیصد والے نہیں آئے، تم معیار کام کا دیکھ رہے ہو کہ عمل کی فیصد کتنی بنی، ہم یہ دیکھنا چاہ رہے ہیں کہ ایسے یقین کی فیصد والے کتنے بن گئے۔ پھر ہم نے ان سے یہ کہا کہ تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تم نے یقین والی نماز کے داعی کتنے پیدا کئے۔ دیکھو میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! امت کا اعمال پر آجانا یہ ہمارے کام کی حد نہیں ہے۔

یہ امت عمل پر آتی رہے گی اور عمل کو چھوڑتی رہے گی۔ عمل پر چڑھتی رہے گی اور عمل سے پھسلتی رہے گی۔ بغیر یقین کے اعمال پر استقامت نہیں ہوتی۔ ہماری اعمال پر جو استقامت ہوگی وہ یقین کے بقدر ہوگی، اس لئے صحابہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے دعوت کے ذریعے سے یقین کا بنانا سیکھا ہے، پھر یہی دعوت ایمان سے اعمال میں منتقل ہوگی کہ اعمال کی دعوت دو، ان اعمال کی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اگر داعی کے سامنے دعوت دیتے ہوئے بے نمازی ہے تو اس دعوت دینے والے کے اندر اس کی اپنی نماز میں حقیقت نہ آئے گی بلکہ دعوت دینے والا نماز کی حقیقت سامنے رکھ کر دعوت دے۔ دیکھو دعوت دینے والا نماز کی حقیقت سامنے رکھ کر دعوت دے، بے نمازی کو سامنے رکھ کر دعوت نہیں ہے۔ ابھی ہم دعوت دے رہے ہیں بے نمازیوں کو سامنے رکھ کر، یا ہم دعوت دے رہے ہیں غافلوں کو سامنے رکھ کر، یا ہم دعوت دے رہے ہیں جاہلوں کو سامنے رکھ کر۔

نہیں! میرے دوستو، بزرگو! دعوت ہو صحابہ والے ایمان کو سامنے رکھ کر ایمان کی دعوت، صحابہ کی نماز کو سامنے رکھ نماز کی دعوت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو سامنے رکھ کر

علم کی دعوت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو سامنے رکھ کر ذکر کی دعوت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے اخلاق کو سامنے رکھ کر اکرام کی دعوت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے اخلاص کو سامنے رکھ کر اخلاص کی دعوت۔

اصل میں دعوت کے ذریعے سے اپنے یقینوں کی تبدیلی مقصود ہے، یہ نہیں کہ دوسروں کو قائل کرنا مقصود ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ کی ہدایت میں یہ ہے کہ داعی کا رخ یہ نہ ہو کہ ہم دوسروں کو قائل کرنے کیلئے دعوت دے رہے ہیں، نہیں بلکہ اپنے یقین کی تبدیلی کے لئے ہم دعوت دے رہے ہیں۔ اگر یہ اپنے یقین کی تبدیلی کے لئے دعوت دے رہا ہے تو اس کی دعوت میں وہ تاثیر پیدا ہوگی جس پر اللہ رب العزت اس کی دعوت کو ذریعہ بنادے گا دوسروں کی ہدایت کا، یا اس کی دعوت سے دوسروں کو ہدایت ملے گی۔ اور اگر ہدایت نہیں ان کی قسمت میں تو پھر یہ دعوت کے انکار سے ہلاک ہوگا۔

ہلاکت یا ہدایت جو اللہ کی طرف سے آئے گی وہ میرے دوستو اس پر آئے گی کہ داعی اپنے یقین کی تبدیلی کے لئے دعوت دے گا۔ داعی بصیرت پر ہوگا کہ دعوت دینے والا اپنے یقین پر ہو، اس کی دعوت کا انکار کردینے والے اسے دعوت سے پیچھے نہ ہٹادیں۔

دیکھو بھئی بات یہ ہے کہ اگر ہم دعوت دے رہے ہیں دوسروں کے لئے تو دو باتوں کے علاوہ تیسری بات نہ ہوگی، یا تو وہ لوگ بات کو قبول کریں گے یا بات کا انکار کریں گے۔ اگر انھوں نے بات قبول کرلی تو دعوت دینے والے میں عجب آئے گا، دعوت دینے والوں میں کبر آئے گا کہ میری محنت پر اتنے بنے، میری محنت پر اتنے لگے، میں نے فلاں علاقہ اٹھادیا، یہ کیا ہوا کہ دعوت اس نے دی دوسروں کے لئے تو ان کے بات ماننے سے اس میں عجب آیا، اور اگر ان لوگوں نے بات نہ مانی اور انکار کیا تو یا تو اس کے اندر غصہ آئے گا یا اس کے اندر مایوسی آئے گی، تب یہ کام چھوڑ دے گا کہ لوگ بات نہیں مانتے۔ نہیں! بلکہ دعوت دینے والا دعوت دے رہا ہے اپنے یقین کی تبدیلی کے لئے، یہ اپنے یقین کی تبدیلی کے لئے دعوت دے رہا ہے، کسی کا بات ماننا یا کسی کا بات نہ ماننا اس سے اس کی اپنی دعوت میں کوئی کمی نہ آئے گی، اس لئے کہ قیامت میں انبیاء پیش کئے جائیں گے اور امتیں ان پر

پیش کی جائیں گی۔ ایک وہ نبی ہوں گے جن کے ساتھ انکی بات کو ماننے والے بہت سے ہوں گے، ایک وہ نبی ہوں گے جن کے ساتھ ایک بڑی امت ہوگی۔ ایک نبی وہ ہوں گے جن کے ساتھ اسی لوگ ہوں گے، ایک نبی وہ ہونگے جنکے ساتھ چند لوگ ہوں گے۔ لیکن ایسے بھی نبی ہوں گے جن کے ساتھ کوئی نہیں ہوگا کہ کسی نے ان کی بات نہیں مانی، یہاں تک کہ انکا کام پورا ہوا، دنیا میں دعوت دینے کا کام پورا کردیا۔ اس پر اللہ نے ان کو ہٹالیا اور قوم کو تباہ کردیا، تو اللہ رب العزت نے ان کی دعوت پر قوم کو ہلاک کیا یا قوم کو ہدایت دی لیکن وہ نبی جن کے ساتھ کوئی نہیں ہوگا وہ اپنی دعوت میں بالکل کامیاب ہیں، یہ نہیں کہ وہ نبی ناکام ہوگئے۔ اللہ کی طرف سے تمام انبیاء اپنی دعوت میں سو فیصد کامیاب ہیں، مگر مدعو بات نہیں لے رہا ہے تو اس کو داعی اپنی کوتاہی سمجھے، یہ نہیں کہ یہ بات نہیں مانتے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ضعف کا اقرار کررہے ہیں، اپنی کمی اللہ کے سامنے رکھ رہے ہیں، کہ اے اللہ! میں نہیں کرسکا۔ یہ نہیں کہ داعی مدعو کی شکایت کرے، داعی شکایت کرے گا کہ اے اللہ! میں ان کو سمجھا نہیں سکا کہ بات کیا ہے، کہ داعی کی دعوت اس کے اپنے لئے ہے۔ اس لئے کبھی اس میں مایوسی نہیں آئے گی اور کبھی غصہ نہیں آئے گا، کہ اگر یہ بات نہیں مانتے تو غصہ آجائے، کیونکہ دعوت اپنی ذات کے لئے ہے۔

اس لئے میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! ہم جو دعوت دے رہے ہیں، یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ ہم دعوت دے رہے ہیں اپنے یقینوں کو بدلنے کے لئے، ہماری دعوت اپنے یقینوں کی تبدیلی کے لئے ہے۔ اگر یہ دعوت دوسروں کے یقینوں کو بدلنے کے لئے یا دوسروں کو عملوں پر لانے کے لئے دی جارہی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اپنی دعوت سے ہمارے اپنے یقین نہ بدلیں گے۔

پھر دعوت نبیوں سے نبیوں میں منتقل ہوئی ہے۔ ہر زمانے میں ایک نبی آئے، دعوت دی اور چلے گئے۔ دوسرے نبی آئے اور دعوت دی اور چلے گئے۔ جب ایک نبی کام کرکے جاتے ہیں تو ان کے بعد دوسرے نبی آجاتے ہیں، انبیاء کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا، ہر زمانے میں نبیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جب اگلا نبی آتا تو کہتے کہ پچھلے نبی بھی نبی تھے۔ اللہ

کے بندے تھے۔ اصل میں ہوتا یہ تھا کہ امت اس نبی کو خدا سمجھ بیٹھتی تھی ان کے معجزات کی وجہ سے، جب یہ نبی چلے جاتے تو پھر اگلے نبی ان کے یقین کی تبدیلی کے لئے آتے، یہی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے پہلے انبیاء نے کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام امت کو سکھلایا، یہاں آ کر محنت کا نقشہ بدل گیا۔ آپ کی ذمہ داری بدلی، آپ نے امت کو کام بھی سکھلایا اور دین بھی سکھلایا، یعنی دین بھی سکھلایا اور دین کی محنت بھی سکھلائی، یہاں آ کر محنت کا رخ بدل گیا، یہاں آپ نے آ کر امت کو یقین کی تبدیلی کی محنت بھی سکھلائی اور یقین بھی سکھلایا، ایمان بھی سکھلایا اور ایمان کی محنت بھی سکھلائی، نماز بھی سکھلائی اور نماز کو زندہ کرنے کی محنت بھی سکھلائی، علم وذکر بھی سکھلایا اور علم وذکر کو زندہ کرنے کی محنت بھی سکھلائی۔ امت کو صرف دین پر نہیں ڈال دیا کہ تم اپنے انفرادی اعمال کرو، بلکہ امت کو دین بھی سکھلایا اور دین کو زندہ کرنے کی محنت بھی سکھلائی۔ بلکہ مولانا یوسف صاحبؒ یوں فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین سکھلانے سے زیادہ محنت دین کی محنت سکھلانے پر کی ہے کہ امت کو نبوت والا کام دیا، نبوت والا کام امت کے حوالے کیا۔

میرے دوستو، بزرگو! اگر ہم اس پر ہیں کہ امت اعمال پر آ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دعوت کی محنت کو زندہ نہیں کر رہے ہیں، جو ذمہ داری ہم پر ایک آدمی کو نمازی بنانے کی ہے وہی ذمہ داری ہم پر اسے نماز کا داعی بنانے کی ہے۔ ایک ذمہ داری ہم پر جس طرح ایک آدمی کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہیں آتا اس کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سکھلانی ہے، بالکل اسی طرح کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا داعی بنانے کی ہے۔ بالکل یہ کافی نہیں ہے کہ ہم ایک آدمی کو عمل پر لا کر چھوڑ دیں۔ ہماری ذمہ داریاں دو ہیں: کلمہ سکھلانا کلمہ کا داعی بنانا، نماز سکھلانا اور نماز کا داعی بنانا، علم وذکر سکھلانا اور علم وذکر کا داعی بنانا، اکرام سکھلانا اور اکرام کا داعی بنانا، اخلاص سکھلانا اور اخلاص کا داعی بنانا، دعوت سکھلانا اور دعوت دینے والا بنانا۔ یہ دو ذمہ داریاں ہیں امت کی، صرف اپنی ذات سے عمل کر لینا اس امت کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ اس طرح ذمہ داری نہیں کہ امت کے خسارے سے نکلنے کے لئے بھی

اس امت کا اپنی ذات سے عمل کر لینا کافی نہیں ہے۔ یہ بات بالکل یقینی ہے اور دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ امت بغیر دعوت کے کبھی خسارے سے نکل نہیں سکتی۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو انفرادی بنیاد پر اٹھایا ہی نہیں تھا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. تمھیں بھیجا ہی گیا ہے انسانوں کیلئے۔ "ل" تخصیص کا ہے، تمھیں خاص طور سے بھیجا گیا ہے، کس لئے بھیجا گیا ہے "تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" اللہ کی ذات کا تعارف کرانا، اللہ کی قدرت کو، ربوبیت کو، غیبی نظام کو، غیبی خزانوں کو سمجھانا، اور اللہ کی ذات اور صفات میں کسی بھی چیز کے شریک کرنے سے لوگوں کو روکنا۔ تمھیں خاص طور پر اسی لئے بھیجا گیا ہے۔

اب محنت شخصی، اب محنت قومی، اب محنت علاقائی یا زبان کی بنیاد پر، یا ملک کی بنیاد پر، یا صوبے کی بنیاد پر، یا محنت ضلعوں کی بنیاد پر، ان بنیادوں پر محنت کر کے یہ امت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ محنت انبیاء کی ہے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کی بنیاد یہ نہیں۔

پچھلے نبی کسی قوم کے یا کسی علاقے کے یا کسی ملک کے یا کسی بستی کے، یا یہ نبی کسی پیشے والوں کے، یا یہ نبی کسی اکثریت والوں کے، یہ نبی صنعت کاروں کے، یہ نبی وزیروں اور تاجروں میں۔ انبیاء اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی قوموں میں محنت کرنے کے لئے بھیجے گئے، وہاں عذاب آیا تو محدود، نصرت آئی تو وہ محدود، وہاں عذاب آیا تو محدود کہ اس قوم پر آئے گا دوسری قوم پر نہیں آئے گا۔ ایک قوم بندر بنائی گئی تو دوسری قوم کی شکلوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، زلزلے آئے، ان کی زمینوں میں سیلاب آئے۔ لیکن یہ امت، اس امت کے ساتھ جو معاملہ اللہ کا ہوگا، پہلی بات تو یہ دوستو، بزرگو خوشخبری ہے اس امت کیلئے، وہ یہ کہ اس امت پر عام عذاب نہیں آئیگا۔ کیوں نہیں آئے گا؟ اسلئے کہ عذاب آتا ہے اس امت پر جس پر نبی کے بعد نبی آتا ہے، اس امت پر عذاب نہیں آتا جس امت پر نبی کے بعد نبی نہیں آتا، بلکہ امت کو نبوت والا کام دیا گیا ہے، جسے نبوت والا کام کرنا ہے

اسلئے اس امت پر عمومی عذاب نہیں آنا ہے۔ کیونکہ یہ امت تباہ نہیں ہوگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لیا ہے اللہ سے کہ ''اے اللہ! یہ مٹھی بھر لوگ ہیں، اگر یہ ہلاک ہوگئے تو پھر تیرا تعارف، تیری ذات اور صفات کی پہچان نہ کرائی جاسکے گی اس زمین پر۔

اب بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ دعوت کی محنت نبوت سے امت کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ کس طرح ہوئی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لا کر کلمہ کو جو پیش کیا وہ امت کے تینوں طبقات پر پیش کیا ہے، عورت، مرد اور بچہ۔ خدیجۃ الکبریٰ، ابو بکر صدیقؓ اور علی ابن ابی طالبؓ انسانیت کے تینوں طبقوں پر آپ نے آ کر دعوت کو پیش کیا، پھر دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے اسامہؓ کے لشکر کی روانگی، دعوت کو امت پر یوں پیش کیا جب نبی بنائے گئے، اور دعوت کو امت پر یوں پیش کیا جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ آتے ہوئے جاتے ہوئے دونوں موقعوں پر امت کو کام دے کر گئے ہیں۔

میرے دوستو، عزیزو! اگر اس وقت امت علاقائیت کی یا قومیت یا زبان کی یا برادری کی یا رنگ کی، ان بنیادوں پر سوچے گی تو اللہ رب العزت کا اس امت کے ساتھ ''نصرت'' کا وعدہ ان بنیادوں پر ہرگز نہیں ہے، یہ ساری بنیادیں ختم ہوگئیں: اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ یعنی میں ایک وقت میں تم سب پر نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپ چونکہ شعیبؑ کے امام ہیں اس لئے آپ تجارت سے نہ ہونے کے یقین کو بھی لائے۔ آپ نوحؑ کے امام ہیں، آپ اکثریت سے نہ ہونے کے یقین کو لائے۔ آپ صالحؑ کے امام ہیں، آپ کارخانوں سے نہ ہونے کے یقین کو لائے۔ آپ یوسفؑ کے امام ہیں، آپ وزارتوں سے نہ ہونے کے یقین کو لائے۔ آپ ابراہیمؑ کے امام ہیں، آپ بادشاہوں سے اور حکومتوں سے نہ ہونے کے یقین کو لائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں ان ساری شکلوں سے نہ ہونے کے یقین کو لائے، جن ساری شکلوں سے نہ ہونے کے یقین کو اپنے زمانے میں انبیاء آدم سے لے کر ایجادات کے دور عیسیٰؑ تک لے کر آئے ہیں۔

میرے دوستو، بزرگو! اس دعوت کو ہم سمجھ لیں، ذرا غور سے جس طرح عرض کیا جا رہا

ہے، اس لئے کہ امت تو بے چاری اس مغالطہ میں پڑ گئی کہ دعوت تو غیر مسلموں کے لئے ہے، اتنا بڑا دھوکہ لگا مسلمانوں کو کہ یوں سمجھے کہ دعوت غیروں کے لئے ہے، اب دعوت دی جائے گی غیروں کو۔ میرے دوستو! امت میں ارتداد کے آنے کا راستہ مسلمانوں کے اندر سے دعوت کا نکل جانا ہے، جب امت دعوت کی محنت چھوڑے گی، امت کا امت ہونا ہی ختم ہو جائے گا۔ اتنا بڑا دھوکا یہ ہے مسلمانوں کو کہ دعوت غیروں کیلئے ہے، نہیں! بلکہ دعوت مسلمان مسلمان کو دیگا، اللہ رب العزت ایمان لانیکا حکم ایمان والوں کو دے رہے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا۔ یہ نہیں فرما رہے ہیں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اٰمِنُوْا۔ کہ کافرو ایمان لاؤ۔ بلکہ کافروں کو تو مسلمان ہونیکی دعوت دی جارہی ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جتنا مسلمان مسلمان کو دعوت دیگا، یہ مسلمان باقی رہے گا۔

یہ نہ جانے کہاں سے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ دعوت غیروں کیلئے ہے، نہیں بلکہ موسیٰؑ بنی اسرائیل پر محنت فرعون سے زیادہ کر رہے تھے۔ فرعون کو دعوت صرف اتنی تھی کہ اسلام لے آ۔ لیکن صبر کی، توکل کی، تعلق مع اللہ کی، اللہ کے وعدوں پر یقین کرنے کی، فرعون کی طرف سے آنے والی اذیتوں پر صبر کرنیکی، اس سب کی محنت جو موسیٰؑ کر رہے تھے وہ بنی اسرائیل پر کر رہے تھے۔ محنت ایمان کی ایمان والوں کے اوپر ہوگی۔ عبد اللہ ابن رواحہؓ کی محنت ایمان کی ایمان والوں کے اوپر ہے: اِجْلِسْ بِنَا اٰمِنُوْا سَاعَةً۔ کہ ایمان کی مجلس ایمان والے ایمان والوں کے ساتھ لگائیں گے، غیروں کو تو اسلام کی دعوت ہے کہ اسلام لے آؤ، لیکن اصل میں دعوت ایمان والا ایمان والوں کو دے گا۔

اب بات کیا ہے؟ اب بات یہ ہے کہ جس طبقے میں گھس کر دعوت دو گے، اگر تاجروں میں گھس کر دعوت دو گے تو شعیبؑ کی دعوت کے انوارات آئیں گے۔ تم زمینداروں میں گھس کر دعوت دو گے، تم صنعت کاروں میں گھس کر دعوت دو گے تو صالحؑ کی دعوت کے انوارات آئیں گے۔ تم اکثریت والوں میں گھس کر دعوت دو گے تو نوحؑ کی دعوت کے انوارات آئیں گے۔ جس قوم کی طرف جو نبی بھیجے گئے آج اس قوم میں گھس کر دعوت اگر ہم دیں گے تو اس قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا ہے اس نبی کی دعوت کے انوارات

آئیں گے۔

مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ دعوت کی محنت کرنے والوں میں اور انبیاء میں صرف نبوت کے درجے کا فرق رہ جاتا ہے۔ یہ دعوت نبوت سے امت کی طرف منتقل ہوئی ہے، تزکیہ امت کے ذمہ ہوگا، تعلیم امت کے ذمے ہوگی، جس طرح اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ کہ اللہ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے۔ بالکل اسی طرح آپ کا ایک ایک امتی معلم ہے، جس طرح آپ معلم تھے اسی طرح آپ نے اپنے امتی کو معلم بنایا ہے: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً کہ مجھ سے اگر ایک آیت بھی لے رہے ہو تو اس کو پہنچاؤ۔

میرے دوستو، بزرگو! اب محنت شخصی یا ملکی یا علاقائی اور قومی نہیں ہے بلکہ اب محنت عالمی ہے: اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی نصرت جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے، وہ نصرت جو اللہ کی طرف سے ہوگی، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی نصرت وہ انبیاء والے طرزِ دعوت پر نہ ہوگی، اس زمانے میں امت کی جو نصرت ہوگی۔

اول تو نصرت کسے کہتے ہیں، کسے نصرت کہیں؟ بھئی ہم نے تو یہ سوچا ہوا ہے کہ دو آدمی سفر میں جا رہے تھے کہ سامنے سے شیر آ گیا، اس سے مقابلہ ہوا تو شیر ڈر کر بھاگ گیا، اللہ نے نصرت کر دی۔ یہ نصرت کا عام مفہوم ہے۔ میرے دوستو، بزرگو! اگر افراد کے کام بن رہے ہیں تبلیغ سے تو اس کو نصرت نہیں کہیں گے، اس کو یا کرامت کہہ لو یا اس کو برکت کہہ لو۔ یہ ولایت کے ساتھ کرامت تو ہو سکتی ہے، لیکن نصرت کسے کہتے ہیں؟ نصرت اس کو کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی سنت کے خلاف، اس کی عادت کے خلاف، اس کے نظامِ غیبی کا امت کے ساتھ امت کا موافق ہو جانا، یہ نصرت ہے۔

میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! ہم تو ابھی نصرت اس کو کہتے ہیں کہ اسباب میں اللہ کی قدرت ظاہر ہو۔ نہیں! نصرت کہتے ہیں جس سے سب کو فائدہ پہنچے۔ حضرت جابرؓ کے یہاں سب خندق والوں کی دعوت ہے، یہ دعوت کس کی طرف سے ہے؟ یہ جابرؓ کی طرف سے نہیں ہے، یہ دعوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے، کہ جو نصرت نبی پر نازل

ہوگی وہ نصرت پوری امت پر آئیگی، جو امت امت اجابت ہے کہ چلو جابر کے یہاں کھانا ہے، کتنے آدمیوں کا کھانا ہے، صرف تین آدمیوں کا کھانا ہے، پر تم سب چلو۔ کرامت ہوگی ولی کے ساتھ، کرامت امت کے ساتھ نہیں ہوتی، لیکن نبی پر جو نصرت آئی میرے دوستو اس سے فائدہ سب کو پہنچا۔ ان نصرتوں کا دروازہ بند ہے؟ بند اس لئے ہے کہ اب محنت علاقائی اور قومی ہو رہی ہے، خود کام کرنے والوں میں علاقے تقسیم ہوں گے یہ میرا محلّہ، یہ تمھارا محلّہ، یہ میرا حلقہ، یہ تمھارا حلقہ۔

میرے دوستو، بزرگو! علاقائیت یا حلقے ان کی حیثیت خندق کی تقسیم سے زیادہ نہیں ہے۔ خندق کو جو تقسیم کیا گیا ہے وہ سہولت کے لئے کیا گیا ہے، ہمارے کام میں جو حلقے بنے ہوئے ہیں وہ صرف سہولت کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ یہ حلقے اس لئے نہیں ہیں کہ تم اپنا حلقہ دیکھو ہم اپنا حلقہ دیکھیں۔ اگر کوئی بات پیش آئے گی تو یوں کہیں گے کہ تمھارے حلقے میں پیش آئی، اب محنت علاقائی یا قومی یا زبان کی بنیاد پر نہیں ہے، اب جو محنت ہوگی میرے دوستو "اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا" میں ایک وقت میں تم سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو کیا ہوگا کہ ایک وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک امتی سارے عالَم کے اعتبار سے سوچے گا۔ اب جو نصرت آئے گی میرے دوستو! وہ نصرت آئے گی اجتماعی، اور وہ نصرت آئے گی عالمی۔

اگر ایک مسلمان امریکہ میں ہو تو اللہ اس کی وہاں مدد کریگا۔ یہ نہ ہوگا کہ جو مسلمان کام کے ماحول میں آگئے انھیں کی مدد ہوگی، کہ نہیں جس طرح اللہ کی طرف سے نہ ماننے والوں پر عذاب آتا ہے کہ وہ اللہ کا نافرمان عذاب کی جگہ نہ ہو تو اس کے عذاب کا حصہ جہاں پر بھی وہ رہ رہا ہوگا اسی جگہ پر پہنچے گا، اسی طرح جب امت دعوت کی محنت پر آئے گی تو جو نصرت مجموعے کی ہوگی، افراد کے حصے کی نصرت وہاں پہنچے گی، نصرت کس طرح ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ کی طرف سے مددیں آئیں وہ خلافِ عادت آئیں۔

اب تو کام کرنے والے بھی ان نصرتوں سے مایوس ہیں کہ بھئی جو ہوگا اسباب سے ہوگا۔ اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کھانے میں برکت ہو جائے گی کہ نہیں، اب تو چار مہینے کی

جماعت نکلے گی، پیسے گنیں گے اور تول تول کر چاول بھر لیں گے کہ بھئی یہ ایک آدمی کی اتنی خوراک ایک آدمی کا اتنا خرچہ، اتنے خرچے میں حساب لگائیں گے بیٹھ کر کہ تم اتنے روپے لے چلو۔ یعنی یقین کی تبدیلی مقصد ہی نہیں۔ سارا کا سارا، اب تو مجھے تعجب ہوتا ہے مشورے میں بیٹھ کر کہ بھئی یہ جماعت فلاں ملک میں پندرہ ہزار روپے خرچ کی ہے، بارہ ہزار روپے میں اس کا کام نہیں چلنے کا۔ یعنی اس کا یقین ہی نہیں کہ اللہ رب العزت خلافِ عادت خرچ پورا کر دیں گے۔ اسلئے کہ ہم نے اپنے یقین کی خرابی کی وجہ سے اللہ کی قدرت کو اللہ کے بنائے ہوئے اسبابوں کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔

میرے دوستو، بزرگو! اس کو قدرت کہتے ہی نہیں جو اسباب میں ہی ظاہر ہونے کی پابند ہو۔ قدرت تو کہتے ہی اسکو ہیں جسکے اسباب پابند ہوں۔ اب اللہ کی طرف سے جو نصرت آئے گی میرے دوستو، بزرگو یہ یاد رکھو وہ ان بنیادوں پر آئیگی جن بنیادوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ڈال گئے۔ اب علاقائیت اور قومیت کی بنیاد پر اللہ کی مدد نہ ہو گی، کیوں کہ بات یہ ہے کہ محنت ہے ایک اور میدان ہیں اسکے تین۔ محنت ایک ہے میدان تین ہیں۔ محنت ایک کیا ہے؟ محنت یہ ہے کہ دین زندگیوں میں آجائے۔ محنت یہ ہے۔

دیکھو میرے دوستو، بزرگو! ہر انسان کے ساتھ دو چیزیں ہیں: ایک اسکی ضرورت، ایک اس کی ذمہ داری۔

تاجر کے ساتھ دو چیزیں لگی ہوئی ہیں، ایک اس کی ضرورت، ایک اس کی تجارت۔ ملازم کے ساتھ بھی دو چیزیں لگی ہوئی ہیں، ایک ضرورت ایک اس کی ملازمت۔ ہر ایک کے ساتھ یہ دو چیزیں ہیں، ہر ایک کے ساتھ اس کا کھانا اس کا کپڑا اس کی ضرورت، یہ اس کی ضرورت ہیں۔ ایک اسکے ساتھ اس کی ذمہ داری ہے، کسی نے اپنی ذمہ داری تجارت کو بنایا ہوا ہے، کسی نے اپنی ذمہ داری زمینداری کو بنایا ہے، کسی نے ملازمت کو بنایا ہوا ہے۔

تو ایک ضرورت ہے اور ایک ذمہ داری ہے۔ ہر انسان کے ساتھ ہیں یہ دو چیزیں۔ بالکل اسی طرح ہر امتی کے ساتھ دو چیزیں لگی ہوئی ہیں، ایک اس کی ضرورت، ایک اس کی ذمہ داری۔ ضرورت کیا ہے؟ ضرورت دین ہے، دین ضرورت ہے کہ اس کے بغیر کامیابی

نہیں ہے، لیکن ذمہ داری وہ کیا ہے؟ یوں کہیں کہ وہ ذمہ داری دعوت ہے۔

دین ضرورت ہے، ذمہ داری دعوت ہے۔

جیسے یوں کہہ دو، کھانا ضرورت ہے اور تجارت ذمہ داری ہے۔ مثال کے طور پر یوں کہیں کہ کھانا ضرورت ہے، تجارت ذمہ داری ہے۔ بالکل اسی طرح دین ضرورت ہے، دعوت ذمہ داری ہے۔ جو اپنی ذمہ داری کو پوری نہیں کرتا اس کی ضرورت پوری نہیں ہوا کرتی۔ یقینی بات ہے کہ تم اپنی ذمہ داری پوری کرو تو تمھاری ضرورت پوری ہوگی۔ بالکل اسی طرح یہ سمجھ لو کہ اگر دعوت کی ذمہ داری پوری نہ کی تو دین زندگی میں نہ آئے گا، دین آئے گا دعوت کی ذمہ داری پورا کرنے سے۔ بظاہر جو یقین کی خرابی کی وجہ سے ایک بات دل میں بیٹھی ہوئی ہے کہ تجارت سے مسائل حل ہوں گے۔

تو اس طرح سے یہ عرض ہے کہ محنت ایک ہے، میدان اس کے تین ہیں۔ اپنی ذات محنت کا میدان ہو، میری نماز، میرا روزہ، میرا حج، میری زکوۃ، میرا ذکر، میری تلاوت، میرے اعمالِ صالحہ، میری قبر، میرا حشر، میری جنت، میری دوزخ، میں جانوں۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ محنت ہے صالحین والی کہ میں اپنی ذات سے نیک بن جاؤں اور کوئی کرے یا نہ کرے۔

پھر ایک دوسرا میدانِ محنت ہے، دوسرا میدانِ محنت کیا ہے۔ دوسرا میدانِ محنت یہ ہے کہ ایک قوم ایک بستی ایک علاقہ ایک قریہ، اس زبان والے یا اس پیشے والے صرف کوئی علاقہ اور کوئی قوم ہو، محنت کی۔ فرماتے تھے مولانا یوسف صاحبؒ کہ محنت کا میدان تو ہے لیکن یہ انبیاء کی محنت کا میدان ہے۔ یہ میدان کس کا ہے، یہ میدان انبیاء کا ہے کہ ایک قوم، ایک قریہ، ایک علاقہ، ایک بستی، یہ محنت کا میدان بنا۔

پھر ایک تیسرا میدانِ محنت ہے جو سب سے کامل اور مکمل ہے کہ یہ میدانِ محنت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یہ میدانِ محنت کامل ہے۔ اب ان پر انکے ساتھ اللہ کی مددیں اور نصرتیں، وہ بھی انھیں میدانوں کے اعتبار سے ہوں گی۔ اگر صالحین والی محنت ہے تو کرامتیں ہوں گی، اگر انبیاء والی محنت ہے تو پھر نصرت قوم تک یا بستی تک یا قریہ تک یا نبی

تک محدود ہوگی کہ قوم جو چاہے گی نبی سے کہے گی، نبی اللہ سے کہیں گے کہ موسیٰ اپنے رب سے یوں کہو، موسیٰ اپنے رب سے یہ کہو، جب تک نبی ہے قوم کے اور خدا کے درمیان واسطہ ہے، لیکن نبوت والی محنت امت کو اس طرح ملی کہ اس امت کا تعلق اللہ رب العزت سے براہِ راست ہے، اس امت کا تعلق اب اللہ سے براہِ راست ہے: اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ. مجھ سے مانگو، دوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو کسی پر چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ آپ نے اپنی امت کو براہِ راست اللہ سے جڑنے والے راستے پر ڈال دیا کہ بھئی ایک نبی گئے دوسرے آ گئے، دوسرے گئے تیسرے آ گئے، آ کر امت کو سنبھال لیا، لیکن جس نبی کے بعد نبی نہیں اس امت کا کیا ہوگا؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کو دعوت والی محنت دیکر گئے ہیں۔ دیکھو میرے دوستو، بزرگو! عرض یہ کر رہا تھا کہ اگر امت کے ساتھ امت کا کوئی مسئلہ آ گیا تو یہ امت کہاں سے مسئلے کو حل کرے گی، کچھ جائیں گے تاجروں کے پاس، کچھ جائیں گے حکومتوں کے پاس، کچھ جائیں گے اپنے یقین کی خرابی کی وجہ سے اپنے عقائد کی کمزوری کی وجہ سے اللہ کے غیروں کی طرف، کہ بھئی کوئی مجھے نقش بنا دے۔ اس نقش سے میرا کام ہو جائے۔ نہیں! میرے دوستو بزرگو! اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کام دے کر بھیجا ہے جس سے آپ نے اپنی امت کو کسی کے حوالے نہیں کیا، کہ آپ امت کو تاجروں کے حوالے کر گئے ہوں، یا زمینداروں کے حوالے کر گئے ہوں، یا ملازموں کے حوالے کر گئے ہوں، یا حکومتوں کے حوالے کر گئے ہوں۔ بلکہ وہ کام دے کر گئے ہیں جس سے یہ نصرتیں اللہ سے براہِ راست لے۔ اب میدانِ محنت ایک قوم اور قریہ بنے گی تو اللہ کی طرف سے مدد آئے گی انبیاء والی۔

لیکن ایک تیسرا محنت کا میدان ہے، وہ یہ ہے کہ ہم ایک وقت میں سارے عالم کو محنت کا میدان بنائیں۔ ایک وقت میں سارے عالم کے انسانوں کو محنت کا میدان بنائیں کہ جب یہ محنت عالمی ہوگی اور ہر امتی سارے عالم کے اعتبار سے سوچے گا تو اللہ

رب العزت کی طرف سے نصرتیں جو آئیں گی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی آئیں گی۔

اس لئے دنیا دارالاسباب بحیثیت اعمال کے ہے ہمارے لئے، اور دنیا دارالاسباب بحیثیت چیزوں کے اور شکلوں کے ہے اللہ کو نہ ماننے والوں کے لئے۔ لیکن بات یہ چل رہی ہے کہ دنیا کا کام تو اسباب سے چلے گا، بالکل یہی بات چل رہی ہے۔ اب عرض کیا کروں کہ یہی بات چل رہی ہے۔ ہمارے اپنے درمیان یہی بات چل رہی ہے۔ مجھے بعض اپنے ساتھیوں پر تعجب ہوتا ہے۔

میں نے کہا وہاں بنگلے والی مسجد میں ایک صاحب نے بیان کیا کہ بھئی دنیا دار الاسباب ہے، اس لئے تجارت تو کرنی ہے۔ میں نے کہا کہ بھئی تو نے تو کام ہی سارا ختم کر دیا، یہ کوئی بات ہوئی۔ یعنی سارے کام کی بنیاد ہی ختم کر دی۔ ہم تو اپنے مجمع کو اس پر لانا چاہتے ہیں کہ ہمارا عملہ، سارا مجمع وہ دن بھر اسی بات کو بولے گا، سنے گا اور سوچے گا اور اس پر امت کو لائے گا کہ اعمال کے اعتبار سے ہے یہ دنیا دارالاسباب، ورنہ مرنے کے بعد ایک عمل کا بھی وہاں موقع نہیں ملے گا۔ بتاؤ اعمال آخرت کے لئے ہیں؟ آخرت میں کس عمل کا موقع ہوگا۔ میں نے کہا بھئی تو نے یہ بنیاد ہی ساری اکھاڑ کر پھینک دی کہ دنیا دار الاسباب تجارت کے اعتبار سے اور آخرت اعمال کے اعتبار سے۔ اعمال آخرت میں نہیں ہوں گے، دنیا میں ہوں گے کہ ان سے کامیابی دنیا میں پہلے لو۔

یہ کیا بات ہوئی کہ تم یہ کہو کہ دنیا دارالاسباب ہے، کہ ہاں ہے دنیا دارالاسباب مگر غیروں کے لئے ہوگی، ہمارے لئے تو دنیا دارالاسباب بحیثیت اللہ کے اوامر کے ہے۔ اب اللہ رب العزت قیامت تک خلافِ عادت اور خلافِ سنت اپنی قدرت ظاہر فرمائیں گے۔ خلافِ عادت اپنی قدرت دکھلائیں گے۔ داؤد کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا، بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ جب تم نے ہمارے حکم پر قدم بڑھایا تو ہم نے تمہاری دنیا کو تمہارے لئے آسان کر دیا۔

اب تو لوگ یوں کہتے ہیں کہ معجزہ تو نبیوں کے ساتھ ہے۔ نہیں! میرے دوستو معجزات دعوت کے ساتھ ہیں۔ معجزہ نصرت ہے، معجزات نصرتیں ہیں، وہ دعوت کے ساتھ

ہیں۔ اللہ رب العزت کی طرف سے نصرت کا جو وعدہ نبیوں کے ساتھ ہے وہی وعدہ ہر امتی کے ساتھ ہے۔ یہ بات نہیں کہ بھئی چلو ایک چیز پیش آئی تھی نبی کے ساتھ تو نبی کے جانے پر ختم ہو گئی، پھر ایک چیز پیش آ گئی صحابہ کے ساتھ تو وہ صحابہ کے ساتھ ختم ہو گئی۔ آج تو بھی دنیا کا نظام دنیا پر ہی چلے گا، ہم اسباب کے مقابلے میں آج کیسے کامیاب ہوں گے؟

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! بات یہ ہے کہ ہم دعوت کی محنت چھوڑ دینے کی وجہ سے آج اس دعوت کی محنت کے ذریعے سے یقین کی تبدیلی کو اس کام کو ذریعہ نہ سمجھنے کی وجہ سے ہم اس بات سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں کہ اب اللہ کی قدرت کیسے ظاہر کے خلاف استعمال ہوگی، اس بات سے بالکل مایوس ہو گئے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ. کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے اور تمام ایمان والوں کی مدد کریں گے اور قیامت تک آنے والوں کی مدد کریں گے ان کی نصرت کریں گے: حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

اللہ رب العزت کی طرف سے جو وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا ہے بعینہٖ وہی وعدہ آپ کے بعد آپ کی امت کی نصرت کا ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جو دعوت کی محنت کو کریں گے اس یقین کے ساتھ کہ اللہ کی مدد یں اس کام کے ساتھ ہیں، اللہ رب العزت اس زمانے میں ان کی مدد صحابہ کے مقابلے پچاس گنا زیادہ کریں گے، اور صحابہ کے مقابلے پچاس گنا زیادہ اجر عطا فرمائیں گے۔ اس لئے میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! دعوت کو سمجھو کہ دعوت کیا ہے اور اس پر نظامِ غیبی کس طرح حرکت میں آتا ہے۔ اب بات یہ ہے بھئی مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ تم اگر ایمان کو بولتے ہوئے، اپنے دل کے اندر، اپنے ذہن میں ایمان صحابہ نہیں رکھو گے تو پھر یہ ایمان صرف زبان کا بول بن کر رہ جائے گا، اس لئے فرماتے تھے کہ جب ایمان کو بولو ایمان صحابہ کو سامنے رکھو۔ جب ایمان کو بولو تو اللہ کی قدرت کو سامنے رکھ کر بولو۔ کسی سبب کو سامنے رکھ کر ایمان کا بولنا یہ بھی شرک پیدا کرے گا۔ کسی سبب کو سامنے رکھ کر بولنا شرک پیدا کرے گا۔ اس لئے جب ایمان کو بولو کسی سبب کو سامنے رکھ کر نہ بولو۔

میرے دوستو، بزرگو! اصل میں نصرت دعوت کے ساتھ ہے، اعمال کے ساتھ اگر کوئی آسانی آ بھی جائے تو وہ نصرت نہ کہلائے گی، کرامت کہلائے گی جو ولیوں کے ساتھ مخصوص ہے کہ مریدین دیکھیں گے کہ ہمارے ولی کے ساتھ یہ نصرت ہوئی، وہ اسے ولی مان لیں گے، اس کو بزرگ مان لیں گے، بس اتنا یہ ہوگا لیکن امت سے بارش رک جائے، ولی کچھ نہ کر سکیں گے۔ صاف صاف بات ہے، حدیث کا مفہوم ہے کہ جو لوگ دعوت دینا چھوڑ دیں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دیں گے، ان پر جب دعوت چھوڑ دینے کی وجہ سے حالات آئیں گے، یہ ان حالات سے تنگ آئیں گے، پھر اپنے مشائخ کے پاس، ولیوں کے پاس، اپنے بزگوں کے پاس دعا کرانے کے لئے جائیں گے تو اللہ رب العزت ان کے ولیوں کی، ان کے مشائخ کی، ان کے بزرگوں کی دعاؤں کو ان کے حق میں قبول نہیں فرمائیں گے۔ حدیث ہے کہ بارش رک گئی چلو بزرگوں کے پاس، چلو ولیوں کے پاس، نہیں جن کی اللہ نے بارش روکی ہے دعوت کی محنت چھوڑ دینے کی وجہ سے، حدیث میں یہ آتا ہے کہ جو دعوت کی محنت چھوڑ دے گا پھر اس پر حالات آئیں گے وہ حالات کے آنے پر بزرگوں کے پاس دعاء کرانے کیلئے جائیں گے، انکے بزرگ انکے لئے دعائیں کریں گے، اللہ انکی دعاؤں کو انکے حق میں قبول نہیں فرمائیں گے۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم نے غیبی نصرتوں کے شامل حال ہونیکے راستوں کو بند کیا ہوا ہے۔

میرے دوستو، بزرگو! ایک امتی جب دین کی حفاظت کے لئے قدم اٹھاتا ہے تو اللہ رب العزت نظام غیبی کو کس طرح حرکت میں لاتے ہیں، دیکھو اصحاب کہف کیا تھے، یہ ایک جماعت تھی شہزادوں کی، بات سمجھ میں آ گئی کہ پالنے والی ذات اللہ کی ہے۔ اب یہ بات لے کر اٹھے تو چاروں طرف سے مخالفت ہونے لگی، یہ وہ ہیں جو اپنے یقین کو بچانے کے لئے ایک غار میں جا پڑے۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! بات ذرا دھیان سے سننا ہے اور فرق پیدا کرنا ہے دونوں میں کہ انفرادی محنت اور اجتماعی محنت میں کیا فرق ہے، اپنا دین بچانے پر کیا ہوتا ہے اور ساری امت کا دین بچانے اور سارے ماحول کے بنانے پر کیا ہوتا ہے۔ صرف اپنے

دین کی فکر کرلینے پر ساری امت کے دین کی فکر کرنے پر اللہ رب العزت کا نظام عالم کس طرح موافق ہوتا ہے، نظامِ عالم کس طرح حرکت میں آتا ہے۔

دیکھو اصحاب کہف کا قصہ مشہور ہے۔ قصہ سنانے کا وقت نہیں ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو اپنا دین بچانے کے لئے ایک غار میں جا پڑے۔ تو نظامِ عالم ہے، نظام سورج کا، وہ اللہ کی طرف سے مقدر ہے متعین ہے کہ اس سے ایک انچ ایک سوت یا اس سے بھی کوئی چھوٹی چیز ہو اتنا بھی اس کے اندر کوئی تبدیلی یا فرق آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ چاند اور سورج کا نظام آگے پیچھے ہو جائے، نہیں یہ بالکل اپنے نظام پر چل رہے ہیں۔ ان کے منازل اور ان کے ٹھکانے طے ہیں، سارا نظامِ عالم اس پر چل رہا ہے۔ سیکنڈ سیکنڈ کا حساب ہے، لمحے لمحے کا حساب ہے۔ لیکن جب یہ سورج گزرتا ہے اصحابِ کہف سے تو یہ راستہ کاٹ کر نکلتا ہے، یہ سورج راستہ کاٹ کر نکلتا ہے یہاں سے، کہ جب یہ غروب ہونے جاتا ہے تو پھر راستہ کاٹ کر جاتا ہے۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جو اپنا دین بچانے کے لئے غار میں آکر چھپ گئے، یہ سورج ان کے لئے اپنی چال سے اور اپنے راستے سے، اپنی ترتیب سے ہٹ کر چل رہا ہے، یہ تو اکرام انکا ہو رہا ہے جو اپنا دین بچانے کیلئے غار میں آکر چھپ گئے تھے: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، میری امت کی رہبانیت کیا ہے، اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ میری امت کی رہبانیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر قوم کی کوئی رہبانیت ہے، میری امت کی رہبانیت اللہ کے راستے کا جہاد ہے: اَلرَّهْبَانِيَّةُ لِاُمَّتِيْ جهادًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ جو جماعت اپنا دین بچانے کیلئے ایک غار میں جا پڑی، جب سورج ان کی نیند کو بچانے کے لئے، ان کو آرام دینے کے لئے اپنے راستے کو بدل کر چل رہا ہے، تو جو لوگ سارے عالم کو دین پر لانے کے لئے اور سارے عالم کے لوگوں کا دین بچانے کے لئے، سارے عالم کے انسانوں کو ایمان پر لانے کے لئے، سارے عالم کے انسانوں کو اعمال پر لانے کے لئے، سارے عالم کے انسانوں کی زندگی بچانے کے

لئے، اپنے دین کو لے کر بجائے کہیں کونے میں بیٹھنے کے، سارے عالم کے اندر پھریں گے، اللہ رب العزت کا نظامِ سورج اور نظامِ چاند اور نظامِ عالم اور جبال، یہ کیوں حرکت میں نہیں آئے گا، یہ کیوں ان کے ہاتھوں مسخر نہ ہوگا۔

میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! بات یہ ہے کہ اللہ کی قدرت سے فائدے اٹھانے کا تعلق اعمال سے نہیں ہے یقین سے ہے۔ تم لاکھ نمازیں پڑھو، لاکھ تہجد پڑھو، لاکھ تم تلاوت کرو، لاکھ تم صبح وشام کے اذکار پورے کرو، تم اللہ کے نام کی ضربیں لگاؤ، اگر اسباب کے خلاف نہیں چلو گے تو کبھی یقین نہیں بدلے گا۔ ہمیں تو اپنی دعوت کو لے کر ہر ہر شعبے میں جانا ہے، اسباب کے خلاف بولنا پڑے گا، تب کہیں جا کر یقین بدلے گا۔ اعمال سے یقین کبھی نہیں بدلا کرتا، یقین بدلے گا جب دعوت کی چوٹ پڑے گی اسباب پر، کہ بھئی یوں آتا ہے روایت میں کہ اتنا ذکر کرو، اتنا ذکر کرو کہ لوگ تمھیں پاگل کہنے لگیں، لوگ کیا کہنے لگیں، لوگ تمھیں پاگل کہنے لگیں، اتنا ذکر کرو۔

کیا حدیث کا مفہوم یہ نکالو گے کہ اتنا ذکر کرو کہ دماغ خراب ہو جائے۔ کیوں بھئی کیا حدیث کا مفہوم یہ نکالو گے کہ اتنا ذکر کرو کہ پاگل ہو جاؤ۔ نہیں! یہ بات نہیں کہ لوگ تمھیں پاگل کہنے لگیں۔ اگر تنہائی میں بیٹھ کر ذکر کر لیا تو وہاں تمھیں پاگل کون کہے گا، کوئی کہے گا بھئی پاگل؟ کہ یہ پاگل ہے، نہیں! بلکہ روایت یوں کہہ رہی ہے کہ لوگ تمھیں پاگل کہیں اتنا ذکر کرو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی کثرت، کتنی کثرت؟ اتنی کثرت کہ لوگ تمھیں پاگل کہیں۔ نہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تنہائی میں ذکر کر رہا ہے تو کون پاگل کہے گا، تو پھر روایت کا کیا مطلب ہے؟ یوں کہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی کثرت اسباب کی کثرت کے مقابلے میں آئے گی، کہ اسے پاگل وہ کہیں گے جن کے اسباب سے اس کی دعوت ٹکرائے گی کہ اسباب کے ساتھ ٹکراؤ ہوگا دعوت کا، اب جو نبی بھیجا ہے ہم نے قوموں کی طرف، ہر قوم نے نبی کو پاگل کہا، یہ ہے مطلب روایت کا، کہ اتنی کثرت سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو کہ لوگ تمھیں پاگل کہنے لگیں۔ تجارتوں کا یقین رکھنے والے یوں کہیں گے کہ تجارتوں سے نہ ہونے کو کہنے والے پاگل ہیں، کارخانوں سے،

صنعتوں سے یقین رکھنے والے یوں کہیں گے کہ کارخانوں کا انکار کرنے والے پاگل ہیں، کہ ہر آنیوالے نبی کو انکی قوم نے جو پاگل کہا ہے: مَا يَاْتِيهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ اسکے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی آواز اسباب کے خلاف ہے۔

اب بنے گا مطلب کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کثرت کرنیوالے کو پاگل کیوں کہا جاتا ہے۔ اگر دوستی کرلی ہے اسباب سے اور محنت ہو رہی ہے اعمال کی تو میرے دوستو، بغیر ایمان کے، بغیر اللہ کے وعدوں کے یقین کے اعمال کا معیار قائم نہ ہوگا۔

اب ایک محنت ہے صالحین والی، ایک محنت ہے علاقائی اور قومی، انبیاء والی، ایک محنت ہے سارے عالم کے انسانوں کو ایک وقت میں محنت کا میدان بنانے کی۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم والا میدان ہماری محنت کا میدان ہے۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ میں تو اپنی ذات سے عمل کر رہا ہوں، کوئی کرے یا نہ کرے، تو میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! صرف اپنی ذات سے عمل کر لینا کافی نہیں ہے۔ اب تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اصل میں دعوت کے دو بنیادی مقصد ہیں: پہلا مقصد یقین کی تبدیلی اور دوسرا مقصد ماحول کی تبدیلی۔ یقین کی تبدیلی اور ماحول کی تبدیلی، یہ دو اصل میں دعوت کے خاص بنیادی مقصد ہیں۔ ماحول مجموعے کی محنت کے بغیر نہیں بدلا کرتا، کیوں کہ مجموعے کا نام ماحول ہے، افراد کے عمل کو ماحول نہیں کہتے۔ عمل تو ہے ماحول نہیں ہے، ماحول بدلتا ہے مجموعے سے، اپنی ذات سے عمل کر لینا یہ کافی نہیں ہے، اس لئے کہ جو آدمی اپنی ذات سے عمل کرلے گا اور دوسروں کو عمل پر لانے کی محنت نہ کرے گا اس ماحول کی خرابی اسکے عمل کو ضائع کردے گی۔ امت کو خسارے سے نکالنے کا جو اللہ رب العزت راستہ بتلا رہے ہیں وہ کیا ہے؟ یوں کہتے ہیں کہ امت کے خسارے سے نکلنے کا راستہ وہ دعوت الی اللہ ہے۔

دعوت کسے کہتے ہیں؟ دعوت کہتے ہیں ایک ایک امتی کو ایمان پر لانا اور ایک ایک امتی کو اعمال پر لانا، یہ دعوت ہے۔ جو اس طرح دعوت دے گا، یوں کہیں کہ اس سے ماحول بدلے گا۔ اصل میں خسارے سے نکلنے کیلئے چار چیزیں شرط ہیں، قرآن میں اللہ رب العزت قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ امت کے اس خسارے سے نکلنے کیلئے چار چیزیں شرط ہیں:

ایک ''ایمان'' دوسری ''اعمال صالحہ'' تیسری ''تواصوا بالحق'' چوتھی ''تواصوا بالصبر''۔

چار چیزیں خسارے سے نکلنے کے لئے شرط ہیں، صرف ایمان اور اعمالِ صالحہ یہ بھی خسارے سے نکلنے کے لئے کافی نہیں ہیں، خسارے سے نکلنے کے لئے صرف ایمان اور اعمالِ صالحہ کافی نہیں ہیں، یوں قرآن بتلا رہا ہے۔ قرآن بالکل الگ الگ گنوا رہا ہے چاروں چیزوں کو ''تواصوا بالحق'' اور ''تواصوا بالصبر'' اس کا نتیجہ ہے ایمان اور اعمالِ صالحہ۔ جتنا دوسروں کو ایمان پر لائیں گے اتنا اس کا ایمان بنے گا، جتنا دوسروں کو اعمال پر لائیں گے، یہ اپنے اعمال میں ترقی کرے گا۔ دو پر اس کی ذمہ داری ہے دو اس کے ذاتی ہیں؟ اس کے دو ذاتی کیا ہیں؟ ایمان اور اعمالِ صالحہ، ہر شخص کا اپنا ایمان بنے، اور ہر شخص کے اپنے اعمالِ صالحہ، اور دو کی اس پر ذمہ داری کہ ہر امتی کو ایمان پر، ہر امتی کو اعمال پر لانا ہے۔ یہ چار کام ہیں خسارے سے نکلنے کیلئے، دو اس کے ذاتی، دو پر اس کی ذمہ داری۔ جب یہ کام چار ہوں گے تب امت خسارے سے نکلے گی، ورنہ میرے دوستو! امت خسارے میں پڑی ہوئی ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے یہ لکھا ہے ''معارف القرآن'' میں کہ جو آدمی اپنی ذات میں عمل کرنے کو کافی سمجھے اور اپنے متعلقین، اپنے دوست احباب اور دوسروں کے ایمان اور اعمال کی فکر نہ کرے تو اس نے اپنی نجات کا راستہ بند کرلیا ہے، یہ صاف لکھا ہے۔ اس نے اپنی نجات کا راستہ بند کرلیا، جس نے اپنی ذات سے ایمان اور اپنی ذات سے اعمال کو کافی سمجھ لیا۔

میرے دوستو، بزرگو! اصل میں دعوت کی محنت اب عالمی ہے کہ ہر امتی ایمان اور اعمالِ صالحہ پر آ رہا ہو۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر لانے سے مجموعہ بدلے گا، اور جب مجموعہ بدلے گا تو ایمان اور اعمال کا ماحول قائم ہوگا، وہ ہوگا اجتماعی محنت سے، ابھی ہم جس رخ پر جا رہے ہیں، ہمارا رخ یہ بنا ہوا ہے کہ بھئی محنت کرو کہ لوگ اعمال پر آ جائیں۔ ایک ہے اجتماعی کام اور ایک ہے انفرادی اعمال، انفرادی اعمال میں جو حقیقت پیدا ہوگی وہ اجتماعی دعوت سے ہوگی۔

اصل میں ہمیں دعوت کے ذریعے سے اس محنت کو زندہ کرنا ہے۔ جو محنت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور اعمال کو بنانے کے لئے عطا فرمائی۔ ابھی تو اس محنت کو وجود دینا ہے، یہ ہر سال کے چار مہینے اور مہینے کے دس دن اور روزانہ کے آٹھ گھنٹے۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ سال کا چلہ، مہینے کے تین دن، ہفتے کے دوگشت، روزانہ کی مسجد اور گھر کی تعلیم، یہ تو صرف اپنی ذاتی زندگی میں دین آتے رہنے کے لئے ہے، اگر یہ چاہتے ہو کہ ماحول بدلے، مجموعہ بدلے اور عالمی سطح پر حق قائم ہو اور باطل مغلوب ہو، اگر یہ چاہتے ہو تو اس کے لئے لازم ہوگا کہ اب اپنی زندگیوں اور اپنے جان و مال کا تہائی نکالو۔

اصل دعوت آدھے کی تھی، آدھی جان اور آدھا مال اور آدھا وقت، لیکن اگر آدھے کی ہمت نہیں ہے تو تہائی جان اور تہائی مال اور تہائی وقت آٹھ گھنٹے مسجد کی آبادی کے لئے، دس دن اپنے مقام کے تقاضوں کے لئے، چار مہینے باہر کے لئے کہ جہاں کا تقاضا ہو اندرون یا بیرون کا۔ سال کے چار مہینے، مہینے کے دس دن اور روزانہ کے آٹھ گھنٹے۔ یہ نصاب ہے ماحول کو بدلنے کے لئے، وہ نصاب تھا صرف اپنی ذاتی زندگی میں دین لانے کے لئے۔ اس لئے میرے دوستو، بزرگو! اب نیتیں کرو ہر سال چار چار مہینے کی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ ۱۶/نومبر ۱۹۹۸ء مقام: بھتورا باندہ (یوپی)

میرے بھائیو، دوستو، بزرگو! اللہ جل شانہ نے انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اشرف اور سب سے زیادہ قیمتی بنایا ہے۔

ہر چیز فنا کیلئے، ہر چیز ٹوٹنے کے لئے بنائی ہے، لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کیلئے بنایا ہے۔ یہ اپنے بننے کے اعتبار سے ہمیشہ سے تو نہیں ہے لیکن رہنے کے اعتبار سے یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ ہمیشہ کے لئے جنت یا ہمیشہ کے لئے دوزخ۔ یہ انسان وقتی نہیں ہے کہ یہ کھا پی کر اور اپنی ضرورتیں پوری کر کے دنیا میں ختم ہو جائے اور اس کا وجود باقی نہ رہے، بلکہ انسان دنیا کے اندر آخرت کو بنانے کے لئے بھیجا گیا ہے، یہاں سے اسے دوسرے عالم میں منتقل ہونا ہے، اسی پر ہمارا ایمان ہے اور اسی پر ہمارا یقین ہے کہ مرنا ہے، خدا کے سامنے حاضری دینی ہے، اور خدا کے سامنے حاضری دے کر ہر ایک کو حساب دینا ہے۔ تو دنیا میں انسان ختم ہو جانے کے لئے نہیں ہے، دنیا میں انسان اپنی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کامیاب کرنے کیلئے بنایا ہے۔ اب کامیابی کا دارومدار اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ مشروط کیا ہے، بغیر اس کی ذات کو پہچانے ہوئے انسان کسی لائن سے کامیابی حاصل کر لے خدا کی قسم ناکامی کے علاوہ اور ہمیشہ کی ناکامی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، اگر یہ انسان ایمان کو بنائے بغیر دنیا سے جا رہا ہے۔

اس لئے ہر امتی کی اس کی سب سے پہلی حاجت، یہ پانی کے بغیر تو رہ سکتا ہے، ہوا کے بغیر تو رہ سکتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ایسی بنائی ہیں کہ ہر عقل مند یہ کہتا ہے کہ ہوا اور پانی کے بغیر گذارہ نہیں ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ ہوا اور پانی کے بغیر یہ آدمی جی لے، لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر ایمان اور عمل صالح کے کامیاب ہو جائے، اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لئے انبیاء کو ہر زمانے میں انسانوں کی کامیابی کیلئے بھیجا اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ انسانوں کی کامیابی کے لئے انبیاء کو ایک محنت اور انبیاء کو ایک کلمہ

دے کر بھیجا ہے، تمام انبیاء کی یہ مشترکہ بنیاد ہے کہ انبیاء اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کی طرف انسان کے رخ کو، "اسباب سے ایمان کی" اور "دنیا سے آخرت کی" اور "چیزوں سے اعمال کی" طرف پھیرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ انبیاء آکر اپنی محنت کا میدان کسی چیز کو نہیں بناتے ہیں، انسانوں کو محنت کا میدان بنا کر ان کے قلوب کو اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کی طرف پھیرتے ہیں، کہ قلوب اللہ کے غیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور قلوب اللہ کی ذات سے پھرے ہوتے ہیں۔

اپنے بنانے والے کو، اپنے پیدا کرنے والے کو، اپنے پالنے والے کو، یہ انسان جب بھول جاتا ہے تو یہ زندگی کی ہر لائن میں، یہ تاجر ہو تو تجارت میں، ملازم ہو تو ملازمت میں، حاکم ہو تو حکومت میں، زمیندار ہو تو کاشتکاری میں، یہ دنیا کی جس لائن میں بھی ہوتا ہے، جب اللہ کو نہیں پہچانتا اور اپنے بنانے والے کو نہیں جانتا تو یہ دنیا کے کسی بھی شعبے میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنا تو دور کی بات ہے، یہ اللہ کو بھول کر، یہ اللہ کے احکامات کو توڑ کر چلتا ہے، ہر حکم خدا کا اس بنیاد پر ٹوٹتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا نہیں ہے اور اپنے بنانے والے کو جانتا نہیں ہے۔ انبیاء آکر اس کی محنت کرتے ہیں کہ ان کا رخ اللہ کی ذاتِ عالی کی طرف پھر جائے۔

میرے عزیزو، دوستو! اس کے لئے پہلے انبیاء کا رخ ٹھیک کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ عالی کا تعارف انبیاء کو کراتے ہیں اور انبیاء کے رخ کو صحیح کرتے ہیں، اور ان کے رخ کو صحیح کر کے پھر ان کو قوم کے رخ کو صحیح کرنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے نبیوں کے رخ کو صحیح کرتے ہیں کہ اللہ کا غیر ان کے اندر سے بالکل نکل جائے، پھر نبیوں کو ہدایت اللہ تعالیٰ براہِ راست دیتے ہیں اور دوسروں کی ہدایت کا ان کو ذریعہ بنا کر بھیجتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کا تعارف حضرت موسیٰ کو پہلے خود کرواتے ہیں اور اللہ کے غیر سے ان کے رخ کو پھیر کر صرف اپنی ہی ذاتِ عالی کی طرف ان کے رخ کو پھیر لیتے ہیں، اور پھر جب اچھی طرح ٹھونک بجا کر انکو دیکھ لیتے ہیں کہ ان کا رخ ہمارے غیر کی طرف سے پھر گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے کام لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں کام کے لئے بھیجتے

ہیں کہ جاؤ تم تاجروں میں کام کرو، اور تم زمینداروں میں کام کرو، تم کارخانے والوں میں کام کرو، تم اکثریت والوں میں کام کرو، ہر لائن کے لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ پہلے نبیوں کا رخ صحیح کرواتے ہیں کہ انکے دل میں سے اللہ کا غیر نکل جائے۔ تو جتنا نبیوں کے اندر سے اللہ کا غیر نکل جاتا ہے اتنا ہی یہ دوسروں کی ہدایت کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ایک چیز سے ہونے کا یقین ان کی دلوں سے نکال لیتے ہیں۔

حضرت ابرہیمؑ تو جب یہ کہہ اٹھے کہ میں نے ہر بنے ہوئے سے اپنے رخ کو بنانے والے کی طرف پھیر لیا۔ جب ان کا رخ اس طرح پھر جاتا ہے اللہ کے غیر سے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے بنیادی بات اور بنیادی چیز جو تمام انبیاء کی بنیاد ہے وہ کلمہ: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

جب تک یہ کلمہ دل کا کلمہ نہیں بنے گا اور جب تک دل کا رخ صحیح نہیں ہوگا اور جب تک دل سے اللہ کا غیر نہیں نکلے گا اس وقت تک کوئی عمل نہیں بن سکتا۔ اور جب تک اعمال نہیں بنیں گے کامیاب نہیں ہوں گے۔ سارے اعمال کا مدار ایمان پر اور ساری کامیابیوں کا مدار اعمال پر ہے، اس لئے انبیاء سب سے پہلے اس کلمے کی دعوت دیتے ہیں: قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لو کامیاب ہو جاؤ گے۔

تاجروں پر بھی یہی کلمہ، کاشتکاروں پر بھی یہی کلمہ، باغ والوں پر بھی یہی کلمہ، اکثریت والوں کے بھی خلاف یہی کلمہ، انبیاء کی محنت کا نقشہ اور انکے کلمے کی بنیاد انکی ہر قوم کے خلاف ہوتی ہے، اسلئے انبیاء پر حالات آتے ہیں کیونکہ انکی آواز اور انکا کلمہ ان لوگوں کے خلاف ہوتا ہے جن لوگوں کی طرف ان کو بھیجا جاتا ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ان کے ہر چھوٹے بڑے نقشے کے خلاف ہوگا، کہ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اللہ کے غیر سے نہیں ہوتا ہے۔

یہ اس یقین کے بنانے کا اور یقین کے پیدا کرنے کا، یہ ساری محنت، دعوت الی اللہ کی اس محنت کا مقصد اور خلاصہ یہی ہے کہ اللہ کا غیر ہمارے اندر سے نکل جائے اور اللہ کی ذاتِ عالی سے تعلق پیدا ہو جائے۔ اس کی محنت کے لئے انبیاء کو بھیجا جاتا ہے، یہ آکر ملک یا مال کو، یا چیزوں کو، یا دنیا کے نقشوں کو اپنی محنت کا میدان نہیں بناتے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے اس لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کی طرف ہر ایک کا رخ پھر جائے۔ پہلے ہی دن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو: قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ کہ نبی جی! اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔

میرے عزیزو، دوستو بزرگو! ہمارے ماحول میں اللہ کے غیروں کو اتنا بولا جاتا ہے کہ اللہ کی ذاتِ عالی کا تعارف کرانا ہم اپنی ذمہ داری محسوس ہی نہیں کرتے، کہ مجھے تو اللہ رب العزت کی ذات وصفات کا تعارف کرانے کیلئے ہی بھیجا گیا تھا۔ یوں کہیں کہ ہمارے ماحول میں اللہ کے غیر کو اتنا بولا جاتا ہے کہ اللہ کی ذات کا یقین بننا تو دور کی بات ہے اللہ کی ذاتِ عالی سے ہونے کا یقین پیدا ہی نہ ہو، یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے سارے انبیاء کی محنت کی بنیاد رہی ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اور ایسا نہیں ہے کہ نبیوں کا کلمہ بدل گیا ہو، اکثریت کو دیکھ کر یا کسی اور سبب اختیار کرنے والوں کو دیکھ کر ان کا کلمہ بدل گیا ہو، یوں کہیں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ ہر زمانے میں انبیاء کی بنیاد "اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اللہ کے غیر سے نہیں ہوتا" یہ بنیاد میرے دوستو، جتنی مضبوط ہوجاتی ہے اتنا ایمان دل کے اندر راسخ ہوجاتا ہے۔ تمام وجوہِ خیر اور دنیا میں جو خیر اللہ کی طرف سے آنی ہے اور جو نظامِ عالم چلے گا وہ سارا کا سارا ایمان ہی کی بنیاد پر چلے گا۔ انسان پر حالات آتے ہیں، یہ ان حالات میں اپنی مرضی کے مطابق حالات چاہتا ہے، حالات سے تنگ آیا ہوا ہے، ان حالات کے بنانے کا کوئی راستہ نہیں، سوائے ایمان بنانے کے۔

اللہ تعالیٰ نے سارے نظام کو نہ چیزوں سے جوڑا ہے، نہ ملک و مال سے جوڑا ہے، نہ کارخانوں سے جوڑا ہے اور نہ حکومتوں سے جوڑا ہے۔ کسی سے نہیں جوڑا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام حالات کو اعمال سے جوڑا ہے۔ دنیا کے تمام حالات کو اعمال سے جوڑا ہے، اور تمام اعمال کو ایمان سے جوڑا ہے، کہ انسان کے جسم سے نکلنے والے اعمال جیسے ہوں گے اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کی طرف سے اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ یہ دیکھا جائے گا کہ عمل کیسا ہے، اگر عمل ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کامیاب کریں تو اللہ تعالیٰ باوجود ملک و مال کے نہ ہونے کے اور چیزیں نہ ہونے کے، اللہ تعالیٰ اعمال پر ہر حال میں کامیاب

فرمائیں گے۔ اگر چیزوں کا ڈھیر ہے اور سرمایہ داری کے نقشوں میں ہے، اور اکثریت کے نقشوں میں ہے، یا تجارتوں کے نقشوں میں ہے، ہتھیاروں کے نقشوں میں ہے، اور جسم سے نکلنے والے اعمال اگر ٹھیک نہیں ہیں، تو ان سارے نقشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے ناکام کر کے دکھادیں گے، جیسا کہ پہلے دکھلا چکے ہیں۔ سارا قرآن اس کی گواہی دیتا ہے، سارا قرآن اس سے بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے جب فیصلہ کیا ہے کسی کی کامیابی اور ناکامی کا، وہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال پر کیا ہے۔

اس لئے میرے عزیزو، دوستو! بنیادی بات، بنیادی چیز سارے نئے حضرات سے اور پرانوں سے، اپنوں سے اور غیروں سے، جو بنیادی بات کہنی ہے، وہ یہ کہ جب تک کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی بنیاد مضبوط نہیں ہوگی، اس وقت تک نہ عبادت بننے والی ہے، نہ معاملات بننے والے ہیں، نہ اخلاق بننے والے ہیں، نہ ہی معاشرہ بننے والا ہے۔ کچھ نہیں ہونے والا جب تک کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دل کا کلمہ نہ بن جائے، تمام حالات کا بننا اور بگڑنا وہ اس پر موقوف ہے۔

اس لئے جب انبیاء اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے تو ان کی قوموں کا حال بہت بگڑا ہوا ہوتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو سب سے سخت زمین ملی، قریش کی، ایسے اکھڑ اور ایسے جاہل کہ ظلمتوں پر ظلمتیں، نہ اللہ کو جانتے تھے نہ پہچانتے تھے، ایسے ماحول میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا، تمام انبیاء کی طرح آپ نے بھی یہی محنت کی، اور آپ کی محنت کی بنیاد بھی یہی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ آپ نے ہر ایک کو اسی پر دعوت دی کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو کامیاب ہوجاؤ گے۔

پھر اس لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ ایک محنت دی، اس لئے کہ ہر کلمے کے ساتھ ایک محنت ہے، اور کوئی کلمہ بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتا۔

کلمہ "تجارت" ایک کلمہ ہے اور اس کے ساتھ ایک محنت ہے۔ کلمہ "زراعت" ایک کلمہ ہے اور اس کے ساتھ ایک محنت چھپی ہوئی ہے، کلمہ "ملازمت" ایک کلمہ ہے اور اس کے ساتھ ایک محنت ہے۔ اسی طرح کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک کلمہ ہے اور اس کلمے کے ساتھ

ایک محنت ہے۔اس محنت کو جب کیا جاتا ہے تب کلمہ بنتا ہے۔کلمہ کیا بنتا ہے؟یوں کہیں کہ اس محنت سے یہ کلمہ دل کا کلمہ بنتا ہے۔فرمایا ہے کہ تو اپنے دل سے پوچھ لے،اس لئے کہ کلمے کی جگہ دل کو بنایا ہے،نہ ہاتھوں کو،نہ زبانوں کو،نہ کانوں کو،نہ آنکھوں کو،نہ دماغوں کو، نہ کتابوں کو۔

میرے عزیزو،دوستو،بزرگو!یہ کلمے کی جگہ صرف دل میں ہے۔اگر یہ اس کلمے کو زبان سے کہہ رہا ہے تو یہ کلمے کے الفاظ ہیں،اگر لکھ رہا ہے تو یہ کلمے کے حروف ہیں،اگر کانوں میں ہے تو یہ کلمے کی آواز ہے،اگر دماغ میں ہے تو یہ کلمے کا مفہوم ہے،اس کو کلمہ نہیں کہتے،کلمہ کہتے ہیں جو دل کے اندر راسخ ہو جائے۔یہ کلمہ دل کے اندر اتر کر ہر ہر عضو سے اس کلمے کے تقاضے پورے ہوں گے اور ہر ہر عضو سے اسلام ظاہر ہوگا،اسلام تو جب نظر آئے گا،جب ایمان ہوگا۔اگر ایمان نہیں ہے تو اسلام کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔اسلام کا مشاہدہ مدینہ منورہ میں ہر آدمی کے سر سے پیر تک اسلام نظر آتا تھا کہ یہ ہے اسلام۔

میرے دوستو!آج دنیا کے اندر جتنے حالات بگڑ رہے ہیں اور جتنی افراتفری ہے، عزتیں وہ خطرے میں،اموال وہ خطرے میں،جانیں وہ خطرے میں،اس سب کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کلمے کی محنت کو چھوڑ دیا ہے۔جب اس کلمے پر محنت ہو رہی تھی تو ایمان بن رہا تھا،جب ایمان بن رہا تھا تو عبادات بن رہی تھیں،معاملات بن رہے تھے،اخلاق درست ہو رہے تھے،معاشرہ پاکیزہ ہو رہا تھا،بلکہ انسان بن رہا تھا۔انسان بن رہا تھا ایمان کے بننے سے،اب ایمان کے بنانے کی جب محنت چھوٹی،اور ایمان کے بنانے کی محنت کیوں چھوٹ گئی؟میرے دوستو،بزرگو!ایمان کے بننے کی محنت اس لئے چھوٹ گئی کہ انسان نے اپنی ذمہ داری چھوڑ دی: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

تم انسانوں کی نفع رسانی کیلئے بھیجے گئے تھے۔تم کاشتکار بنا کر،تاجر بنا کر،زمیندار بنا کر،ملازم بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔بلکہ تم انسانوں کی نفع رسانی کے لئے بھیجے گئے تھے، اور نفع رسانی کیا ہے؟کہ انسان یوں سوچتا ہے کہ جانوروں کی طرح میری ذات سے کسی

کو فائدہ پہنچ جائے،کیا فائدہ۔

نفع رسانی کس کو کہتے ہیں؟کہ جس کے پاس عقل ہے،اس کی عقل سے دوسروں کو فائدہ،کہ جس کے پاس مال ہے،اس کے مال سے دوسروں کو فائدہ،کہ جس کے پاس عزت اور عہدہ ہے،اس سے دوسروں کو فائدہ۔

میرے دوستو،بزرگو!بیشک یہ ایک بات ہے،ایک اخلاقی تقاضہ ہے کہ انسانوں کو انسانوں سے فائدہ پہنچے۔لیکن اس میں تو انسان اور حیوان سب برابر ہیں،بہت سے جانور ایسے ہیں جن سے انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے،بلکہ اللہ تعالیٰ نے سارے جانور اسی لئے بنائے ہیں کہ یہ بوجھ اٹھانے والے،یہ دودھ دینے والے،یہ ہل کھینچنے والے،یہ کاٹ کر کھائے جانے والے،جتنی بھی قسم کے جانور بنائے ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے دوستو،ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ہماری ذات سے انسانوں کو فائدہ صرف ان کی دنیا کو پہنچ رہا ہے۔کیا اسلئے ہم بھیجے گئے تھے؟یا ہم سے متعلق کوئی دوسرا کام ہے؟ہر چیز کا بنانے والا وہ انسان کا خالق ہے،انسان کو بنانے والا ہے،وہ خود فرماتا ہے کہ وہی بنانیوالا ہے،جس نے بنایا ہے۔اگر وہ نہیں جانے گا کہ کس لئے بنایا ہے تو اور کوئی کیا جانے گا؟اس نے انسانوں کو اسی لئے بنایا ہے: تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔یہ ہے ہمارے بنائے جانے کا مقصد،یہ ہے بھیجے جانے کا مقصد،کہ ہم نے تمھیں انسانوں کی بھلائی کیلئے،نفع رسانی کے لئے بھیجا ہے۔یہ تھی وہ محنت جس محنت پر ایمان بن رہا تھا،لیکن جب امت کے اندر سے یہ محنت چھوٹ گئی تو ایمان کے بنانے کا عمومی ذہن اور عمومی ذمہ داری ختم ہو گئی،کہ ایمان کو بنانا عمومی ذمہ داری ہے۔بہت کم لوگوں میں ایمان اور اعمال کے بنانے کا خیال پیدا ہوا کہ بھئی ایمان اور اعمال بنانے چاہئیں،انفرادی طور پر۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو محنت لیکر تشریف لائے اس سے آپ نے ایمان اور اعمال کے بنانے کا اجتماعی ذہن بنایا تھا کہ ہر ایک اجتماعی طور پر یہ ذمہ داری محسوس کرتا تھا کہ ایمان اور اعمال کے بغیر کامیابی نہیں ہے۔ساری یہ محنت اور یہ کام ایمان اور اعمال

صالحہ کے بنانے کا میرے دوستو! ہر فرد کے ذمہ ہے، اور اس کے بنے بغیر دنیا کے اندر نہ دنیا میں کوئی کامیابی ہے اور نہ آخرت میں کامیابی ہے۔

اسلئے تمام حالات کا سدھار اور تمام کامیابیوں کی بنیاد وہ ایمان کا بنانا ہے۔ جب ایمان والے پر حالات آتے ہیں تو یہ ایمان والا حالات کے اندر اپنے اعمال کو بناتا ہے، اور جب انسان ایمان کو نہیں سیکھتا اور حالات اسکے اوپر اللہ کی طرف سے آتے ہیں تب یہ بجائے اعمال کے بنانیکے اپنے عملوں کو اور بگاڑتا ہے۔ اسلئے حدیث میں آتا ہے کہ ایمان کی مثال اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ گھوڑا ہوتا ہے کہ گھوڑے کا مالک اسے باندھ دیتا ہے اور لمبی رسی چھوڑ دیتا ہے اسکے پاؤں میں باندھ کر، اور یہ گھوڑا میدان کے اندر گھاس کھاتا پھرتا ہے، لیکن جب اس گھوڑے کی رسی پوری ہوتی ہے اور اسکے پیر میں جھٹکا لگتا ہے تو فوراً یہ گھوڑا اپنے کھونٹے پر واپس آجاتا ہے۔ یہ گھوڑے کا مزاج ہے کہ جب اسکو جھٹکا لگتا ہے تب یہ اپنے کھونٹے پر واپس آجاتا ہے ورنہ کھاتا ہوا چلتا رہتا ہے آگے آگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دنیا بڑی سرسبز اور میٹھی ہے کہ تاجر بھی اس میں چلتا رہے گا اور زمیندار بھی اس میں چلتا رہے گا اور ملازم بھی اس میں چلتا رہے گا، اور کہیں خیال بھی نہیں آئے گا کہ جھٹکا لگا ہے۔ اس جھٹکے کا کیا مطلب ہے؟ جب ایمان ہوتا ہے تو جھٹکے بتلاتے ہیں کہ میاں یہ جھٹکا اس لئے لگا ہے کہ تمہارا یہ عمل خراب ہو رہا ہے، اس عمل کو درست کرلو۔

تاجر لوگوں کو ان کی تجارت میں، زمینداروں کو ان کی کاشتکاری میں، ملازموں کو ان کی ملازمتوں میں صبح وشام جو جھٹکے لگتے ہیں، وہ اس لئے لگتے ہیں تاکہ صحیح راستے پر آجائیں۔ لیکن اگر ایمان ہوتا ہے تو یہ بات دل میں آتی ہے کہ یہ جو حالات آرہے ہیں، یہ حالات بتلا رہے ہیں کہ اعمال بگڑ رہے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حالات کو کہیں سے نہیں جوڑا سوائے اعمال کے۔

میرے دوستو، بزرگو! چیزوں سے حالات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شفا سے دواؤں کا کوئی تعلق نہیں ہے، اسی طرح مسائل کے حل کا مالوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور مسائل کا

حکومتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے، وہ تن تنہا اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے کرتے ہیں، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے، قانون ہے، ہمیشہ کا یہ ضابطہ ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں وہ انسانوں کے عملوں پر کرتے ہیں۔ تو یوں کہیں کہ یہ جو گھوڑا چلتا رہتا ہے گھاس کھاتے ہوئے، جب اس کو جھٹکا لگتا ہے رسی پوری ہونے پر، تو یہ اپنے کھونٹے پر واپس آجاتا ہے۔ لیکن یہ انسان جانور سے بھی گیا گزرا ہے کہ جب یہ ایمان نہیں بناتا اور اللہ کی ذاتِ عالی کو سامنے رکھ کر نہیں چلتا، اس پر صبح وشام حالات آئیں لیکن یہ ان حالات میں اپنے عملوں کو درست نہیں کرتا، اور عملوں کو اپنے اور بگاڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بڑا عذاب لانے سے پہلے چھوٹے چھوٹے حالات اس پر لاتے ہیں تاکہ اس کی سمجھ میں آجائے، یہ میری طرف رجوع ہوجائے اور سیدھے راستے پر آجائے، لیکن اگر ان حالات میں اسکی آنکھ نہیں کھلتی کہ شاید اسکی سمجھ میں آجائے، یہ اپنا رخ صحیح کرلے، پھر اللہ تعالیٰ اسے موت دیکر ہمیشہ کیلئے آخرت کا عذاب شروع کردیتے ہیں۔

یوں کہیں کہ یہ ایمان سکھلائے گا اور ایمان بتلائے گا۔ جتنے بھی حالات اس وقت دنیا میں آرہے ہیں، یہ انسان اللہ کی ذاتِ عالی کی طرف پھر آئے، اس کیلئے یہ آرہے ہیں۔ لیکن بڑے خوش قسمت ہیں وہ انسان جن کو یہ حالات پلٹ دیں اور یہ حالات ان کو صحیح راستے پر لے آئیں۔

اس لئے میرے عزیزو، دوستو، بزرگو! بنیادی چیز وہ یقین کا بنانا ہے۔ یہ ایمان بن جائے گا تو ہر چیز بنتی چلی جائے گی، اپنی جگہ ہر چیز پہنچ جائیگی۔ لیکن اب یہ انسان اپنے حال کو حال سے بدلنا چاہتا ہے، یہ دیکھتا ہے کہ میری تجارت پر حالات آرہے ہیں، تو یہ اپنی تجارت کو بڑھا دیتا ہے کہ ایک دکان سے دو دکانیں، دو دکانوں سے چار دکانیں، اب بھی حالات نہیں ٹھیک ہو رہے ہیں تو ایک دکان اور لیلو۔ حالات سے حالات نہیں بنا کرتے، اعمال سے حالات بنا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے ذریعے سے یہی بات کہلوائی ہے اور یہی محنت انبیاء نے آکر کی ہے، اور سارے نبیوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حالات سے حالات نہیں بنا کرتے، بلکہ اعمال سے حالات بنا کرتے ہیں۔ حالات کا تو

چیزوں سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ چیزوں پر محنت کرو کہ حالات دور ہو جائیں، دوائیں بناؤ کہ مرض ختم ہو جائے۔

میرے دوستو، بزرگو! حالات کا کوئی تعلق نہیں ہے چیزوں سے، اور حالات کا کوئی تعلق نہیں ہے حکومتوں سے، حالات کا تو تعلق اعمال سے ہے اور اعمال کا تعلق ایمان سے ہے۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں عقلمند انسان کہلاتے ہیں جو اپنے حالات کو سدھارنے کے لئے اپنے آپ کو عملوں پر لے آتے ہیں، اور اپنے حالات کو سدھارنے کے لئے اپنے آپ کو ایمان پر لے آتے ہیں۔

یوں کہیں کہ یہ ایمان کیا ہے؟ یہ اللہ کا غیر ہمارے دلوں میں سے کیسے نکلے؟ اللہ کی ذاتِ عالی کے ساتھ ہمارا تعلق کیسے قوی ہو؟ یوں کہیں کہ اس کو سکھانے کیلئے اور اسکو بتلانے کے لئے انبیاء بھیجے گئے اور سب سے زیادہ محنت اسی بات کی کی گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیئس سال، آپ آخری نبی، آپ کی شریعت، کامل شریعت، آپ کی امت سب سے بڑی امت، آپکی امت آخری امت، آپکے پاس کل وقت تیئس سال کا، ان تیئس سالوں میں سے تیرہ سال ایمان، ایمان ہی کی محنت کرتے رہے، دس سال میں تو سارے احکامات دیئے لیکن تیئس سال میں سے تیرہ سال وہ ایمان، ایمان، ایمان۔

ایمان اس طرح سکھایا ہے کہ صحابہ خود فرماتے ہیں کہ ہم نے ایمان سنا نہیں، ہم نے ایمان پڑھا نہیں، کہ ایمان کا مطالعہ کیا ہو، یا ایمان سنا ہو، یا ایک دفعہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر مطمئن ہو گئے ہوں، بلکہ تعلّمنا الایمان، یعنی ہم نے ایمان سیکھا ہے۔ کس طرح سیکھا ہے؟ ہم نے ایمان کی مجلسیں قائم کیں، ایک ایک کو، دو۔دو کو، چار۔ چار کو لے کر بیٹھے، کہ آؤ بیٹھو تھوڑی دیر ایمان لے آئیں۔ اجلس بنا اُمنو اساعة، یہ عبداللہ ابن رواحہؓ یہ تو یوں کہیں کہ آؤ تھوڑی دیر کیلئے ایمان لے آئیں، وہاں یہ دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں تھا کہ میں ایمان والا ہوں، بلکہ یوں کہیں کہ آؤ بیٹھو تھوڑی دیر ایمان لے آئیں۔ جب یہ جملہ عجیب سا لگا کہ کیا ہم ایمان والے نہیں ہیں، تو ایک صحابی نے جا کر شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی، کہ یہ عبداللہ ابن رواحہ یوں کہتا ہے ہم سے کہ آؤ تھوڑی دیر ایمان لے

آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنس کر فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے اس پر کہ ایمان کی مجلسوں کو پسند کرتا ہے تاکہ ایمان کی طرف سے بےفکری نہ ہونے پائے۔

میرے دوستو، بزرگو! صحابہ کرام ایمان کے بنانے کی محنت میں ہر وقت لگے رہتے تھے کہ جب ایمان کی بات نہیں ہوگی، جب اللہ کی ذات کی تعریف نہیں ہوگی، جس لمحے، جس رات میں، جس دن میں، جس بازار میں، جس مسجد میں، جس گھر میں، جس کارخانے میں، جس حکومت میں، جہاں اللہ کی ذات کا تعارف نہیں ہوگا، جس لمحے نہیں ہوگا اسی لمحے اللہ کے غیر کو بولے گا۔ جس لمحے اللہ کے غیر کو بولے گا، جس لمحے اللہ کے غیر کو سوچے گا اور جس لمحے اللہ کے غیر کو سنے گا، اس لمحے اس کا ایمان متاثر ہوگا، اور اس کا ایمان کمزور ہوگا۔ وہاں تو ایسا ماحول بنایا تھا کہ اللہ کے غیر کے بولنے کا کہیں موقع ہی نہیں تھا۔

میرے دوستو، بزرگو! اللہ تعالیٰ کے یہاں زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خالی کہہ دینا، اتنی آسانی سے قبول نہیں ہو جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ آزمائشوں میں ڈال کر اور اللہ تعالیٰ حالات میں اس کو پھنسا کر اس کے ایمان کو پرکھتے ہیں، کہ دیکھیں ان حالات میں یہ عملوں کو بناتا ہے یا عملوں کو بگاڑتا ہے، تو اللہ تعالیٰ حالات سے اس کے ایمان کو بنواتے ہیں اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ آدمی ایمان میں پختہ ہے یا نہیں۔ صحابہ کرام ایمان میں ایسے پار اتر گئے تھے کہ اگر سوتے ہوئے آدمی کو بھی اٹھا کر پوچھا جائے کہ ''کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَا حَارِثُ'' تو حارثؓ سوتے میں اٹھ کر کچی نیند میں کہ دماغ سویا ہوا ہے اور حارثؓ دعوے کے ساتھ یوں کہیں کہ میں ایمان کے ساتھ صبح کر رہا ہوں۔

میرے دوستو، بزرگو! یہ ایمان اس طرح نہیں بن جائے گا بیٹھے بیٹھے۔ اس ایمان کے ساتھ ایک محنت ہے کہ اللہ کی ذاتِ عالی کا یقین دل میں اس طرح داخل ہو جائے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ فلاں نے یوں کر دیا اور فلاں سے یوں ہو گیا اور فلاں یہ کر دے گا، فوراً یہ بات دل میں کھٹکے کہ یہ آدمی غلط کہہ رہا ہے، کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، وہ تن تنہا جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، وہ اپنے کام میں کسی کے مشورے کے، کسی کی مدد کے، کسی کی نصرت کے پابند نہیں ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں تن تنہا کرتے ہیں۔ یہ ہر آدمی کے ہر وقت دل

میں اتری ہوئی بات ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے براہِ راست اللہ کی ذات سے ہو رہا ہے۔

جب تک چپے چپے پر اس کا بولا جانا نہیں ہوگا اور صبح وشام اس کا سوچنا نہیں ہوگا، اس وقت تک ایمان ہمارے دلوں میں راسخ نہیں ہوگا۔ جب تک ایمان نہیں بنے گا تب تک کچھ نہیں بنے گا۔ اس لئے قرآن والا ایمان چاہئے، ہمارے والا ایمان نہیں۔ بلکہ قرآن والا ایمان ''اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'' کہ ایسا ایمان ہو جیسا ایمان صحابہ کرام لائے ہیں، کہ صحابہ کا ایمان صرف اتنا ہی نہیں کہ میں نبی کے نبی ہونے پر ایمان لے آیا، بلکہ جس جس چیز پر ایمان لائے ہیں، یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لے کر آئے ہیں، جتنا یقین آپ کے نبی ہونے پر ہے اتنا ہی یقین اس طریقہ زندگی پر ہے جو زندگی کا طریقہ آپ لے کر آئے ہیں۔ اس طریقہ زندگی کو اختیار کر کے کامیابی کا اتنا ہی یقین ہے جتنا یقین نبی کے نبی ہونے کا۔ یہ نہیں کہ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نبی ہیں، آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اس کا تو یقین کرتا ہوں، لیکن میرے مسائل کا حل، وہ نبی والے علم میں، وہ نبی والی تعلیم میں، وہ نبی والے طریقے میں، یا وہ نبی والے اعمال میں، میرے مسائل کا حل اس میں ہے یا نہیں اس کا یقین انسان نہیں رکھتا۔ انسان یہ تو کہہ دے گا کہ ہمیں آپ کے نبی ہونے کا یقین ہے، لیکن زندگی کے ہر شعبے میں نبی کی تعلیمات پر اور نبی کے طریقے پر چلنے میں کامیاب ہونے کا یقین اور مسائل کے حل کا یقین انسان نہیں رکھتا ہے، جس طرح نبی کے نبی ہونے پر یقین رکھتا ہے۔

صحابہ کرام جتنا یقین نبی کا نبی مرسل ہونے کا رکھتے تھے، اتنا ہی مسائل کے حل کا یقین آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر رکھتے تھے۔ اگر کوئی یہ کہے آکر ابو درداءؓ سے کہ تمھارا مکان جل گیا، تو ابو درداءؓ جتنا یقین نبی کے نبی ہونے کا رکھتے ہیں، اتنے ہی یقین کے ساتھ یوں کہتے ہیں کہ مجھے نبی نے وہ دعاء سکھلائی ہے کہ اگر وہ اس دعاء کو پڑھ لیں تو کوئی مصیبت اور کوئی تکلیف پہنچنے والی نہیں ہے۔ میں اس دعاء کا وہ یقین رکھتا ہوں: مَاشَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَآءْ لَمْ یَکُنْ، اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ کہ جو اللہ چاہتے ہیں وہ ہوتا ہے، جو وہ نہیں چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صحابہ کرام کو ایمان سنایا نہیں بلکہ سکھلایا۔

ہاں تو میرے دوستو، بزرگو! کیا عرض کروں یوں کہ سارے کے سارے پرانے صبح سے شام تک باوجود اس کے کہ دعوت الی اللہ کی محنت کر رہے ہیں اور تبلیغ سے وابستہ ہیں، اور اس سارے کام کی بنیاد ہی اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کی طرف بلانا ہے، لیکن میں کیا عرض کروں کہ ہمارے ماحول میں بھی اللہ کے غیر کو بولا جاتا ہے۔ کام کرنیوالے، کہ کام کرنیوالا پرانا ہوگا، لیکن اگر اسکی بات سنو گے تو ایسا اندازہ ہوگا کہ بیچارہ نیا آدمی ہے۔

مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں تو اتنا بھی برداشت نہیں تھا کہ کوئی یوں کہہ دے کہ یہ کام اتفاق سے ہوگیا۔ فرماتے تھے اتفاق سے نہیں ہوگیا، یوں کہو کہ اللہ نے یوں چاہا تو ہوا یوں کیوں کہتے ہو کہ اتفاق سے ہوگیا۔ جب اس طرح ایمان بنایا جائے گا، اس طرح ایمان کی محنت کی جائے گی اور اس طرح اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کا تعارف کرانا جب اپنی ذمہ داری سمجھی جائے گی تب حالات اور اعمال بنیں گے۔ اس لئے کہ ایمان کے بننے پر عمل تو اندر کا تقاضا بن جائے گا، اگر ایمان بن جائے گا۔ لیکن اگر ایمان نہیں بنا اور ایمان، جیسا ایمان ہونا چاہئے اگر ایسا ایمان نہیں بنا تو حالات دور نہ ہوں گے۔

میرے عزیزو، دوستو! سارے اعمال اسی بنیاد پر برباد ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کے ساتھ عمل کو جوڑ دیا۔ یہ اعمال تو اللہ کا دھیان لائیں گے، اللہ کا دھیان لانے کا سبب ہیں اعمال۔ اس ایمان کے بننے پر تمام چیزوں کا بننا موقوف ہے۔

اب ہمارا کام یہ ہوگا کہ صبح سے شام تک ایک ایک فردِ امت کو اللہ کی ذاتِ عالی کی طرف بلائیں، تمام انبیاء کی مشترکہ محنت ہے دعوت الی اللہ۔ ہمیں تو دنیا کے اندر بھیجا ہی اسی کام کے لئے گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے تو داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے کہ اللہ کی ذاتِ عالی کی طرف بلانا ہی میرا کام ہے، جو آدمی اللہ کی ذاتِ عالی کی طرف اس طرح بلائے گا جس طرح تمام انبیاء نے اللہ کی ذات کی طرف بلایا ہے، اللہ کی وحدانیت کی طرف، اس کی رزاقیت کی طرف، اس کے شافی اور اس کے کافی ہونے کی طرف، اور ہر ہر چیز کے ہونے کی نسبت کو اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کی طرف کرے

گا، ظلمتیں اتنی ہی ختم ہوتی چلی جائیں گی اور برکتیں آتی چلی جائیں گی۔ ہماری ساری محنت کا خلاصہ، یہ جتنی بھی بھاگ دوڑ ہو رہی ہے اور جتنا یہ جماعتوں میں پھرنا ہو رہا ہے، یہ مشورے پر مشورے، یہ گشت پر گشت، یہ تعلیم پر تعلیم، یہ سہ روزہ پر سہ روزہ، یہ چلّے اور چار مہینے، ان سب کا خلاصہ۔

دوستو، بزرگو! مجھے تو یہی بات عرض کرنی ہے آپ سب سے، کہ یہ جو بنیاد ہماری کمزور ہوتی جارہی ہے کہ بھئی کسی کو دیکھو تو وہ تقریر کر رہا ہے کسی موضوع پر، کوئی کسی موضوع پر، ہر ایک کے اوپر کسی نہ کسی چیز کا غلبہ۔ مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں جتنی ایمان کے بنانے کی بات، جتنی ایمان کے بنانے کی فکر تھی، اتنی کسی اور چیز کی فکر نہیں تھی۔ اس لئے اگر ایمان بن گیا تو ہر چیز بن جائے گی، لیکن اگر ایمان نہ بنا اور اللہ کی ذاتِ عالی پر وہ اعتماد و توکل نہ ہوا جو ہونا چاہئے تو میرے دوستو، بزرگو! مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، اگر ایمان نہیں بنا تو عملوں پر استقامت نہ ہوگی، یہ عمل رسمی ہوں گے۔ اس کی نماز، یہ نماز اس کی عادت کی نماز ہوگی، یا اس کی نماز ماحول کی ہوگی، اس کی نماز وہ ایمان والی نماز نہ ہوگی جو نماز اس کے مسائل کو حل کروادے۔ نماز تو اس کے ایمان کے بقدر ہوگی کہ جیسا ایمان ہوگا ویسی نماز ہوگی، اس لئے سب سے پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ ہم ایمان کو بنانے کی محنت پر لگیں تا کہ یہ اللہ کا غیر ہمارے اندر سے نکلے۔ ہم تو دیکھتے ہیں صبح وشام کہ جنہوں نے دعویٰ کرلیا ہے کہ ہم کام کرنے اور ہم ایمان والے، اب کیا عرض کروں، بات تو سخت ہے کہ ان کے ایک ایک جملے میں سے شرک کی بو آئے گی۔ اب اگر بیٹھ کے سوچو کہ ایسا بولا جانا کیا جائز تھا، کیا ایسا بولا جانا مناسب تھا، اور ایسا بولے جانے سے ہمارے ایمان پر کیا دھچکا لگا ہے، بیٹھ کے سوچو تو اندازہ ہو کہ ہم کام کرنے والے دن بھر میں کتنا شرک بول رہے ہیں۔ اس لیے میرے دوستو، بزرگو! کسی چیز کی نسبت اللہ کے غیر کی طرف نہ کرو، اگر کوئی کہے کہ یہ میں نے کیا ہے یا اس نے کیا، یا اس چیز یا اس سبب سے یہ کام ہوا ہے تو تم یہ کہو کہ نہیں! یہ اللہ نے کیا ہے۔ یہ بات کہنے کے لیے خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں قرآن پاک میں۔

مولانا یوسف صاحبؒ نے تو ایمان ایمان جتنا بولا ہے، شاید مولانا

یوسف صاحبؒ نے اپنی عمر میں ایمان سے زیادہ کچھ بولا ہو۔ اللہ تعالیٰ حالات میں اپنے بندوں کا ایمان دیکھتے ہیں، حالات لاتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ ایمان کا کیا حال ہے۔ دیکھتے ہیں کہ ہمارے غیر کی طرف تو یہ اپنے حالات کو رجوع نہیں کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا ایمان تب نہیں دیکھا جب یہ نمرود کے سامنے تھے، وہاں اللہ کی ذات کا تعارف کرا رہے تھے۔ ہم لوگ تو اپنا ایمان اس وقت دیکھتے ہیں جب ہم اللہ کا تعارف کروا رہے ہوتے ہیں، نفس سمجھتا ہے کہ ہاں میں بڑا ایمان والا ہوں، اور جب ہم پر حالات آتے ہیں تو ان حالات میں ہم سے بڑا بے ایمان کوئی نہیں ہوتا۔ جب ابراہیم نمرود کے سامنے اللہ کی ذات کا تعارف کرا رہے تھے کہ اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے مغرب کو، تو مغرب سے لا کر دکھلا دے، اللہ مارتا ہے، جلاتا ہے، بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے، اپنے پیدا ہونے سے لے کر قیامت میں اٹھائے جانے تک اور اپنی خطاؤں کو معاف کروانے تک ہر چیز کی نسبت اللہ کی ذات کی طرف کر رہے تھے، اس وقت اللہ نے انکے ایمان کو نہیں دیکھا کہ ابھی تو یہ ہمارا تعارف کرا رہے ہیں، جب ان کو ہم چاروں طرف سے حالات ڈال کر گھیریں گے، جب کام کرنے والوں پر حالات چاروں طرف سے آئیں گے، پھر دیکھیں گے کہ ان کا یقین کس چیز پر ہے۔

حضرت ابراہیم کو ساری نمرودیت میں جتنے حالات آئے ان میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے یقین کا امتحان نہ لیا، لیکن جب نمرود نے آگ میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا، اور ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا جانے لگا، اس وقت جبرائیلؑ نے آ کر دو فرشتے بھی ساتھ میں ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے پاس آ کر کہہ رہے ہیں کہ مجھے اللہ نے وہ ساری طاقتیں دی ہوئی ہیں، اور ہم قوم لوط کی بستی کو لے گئے اپنے ''پر'' کے اوپر اٹھا کر، بستی کو وہاں سے الٹا ہے کہ جہاں پہنچ کر آسمانوں پر بستی کے مرغوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اتنی بڑی طاقت والا اور اتنا بڑا فرشتہ جسے 'امین' کہا جاتا ہے ''جبرائیل امین'' امانت دار فرشتہ ہے، جو اللہ کے غیر کی طرف سے آتے نہیں، نبیوں کے علاوہ کسی کے پاس جاتے نہیں، اللہ کے حکم کے بغیر اترتے نہیں، اتنا معتمد فرشتہ، جب وہ آ کے یوں کہے کہ اے ابراہیم! جو

چاہیں آپ ہمیں حکم دیں، جو ضرورت ہو وہ آپ ہم سے کہیں، کہ یہ پانی کا فرشتہ میرے ساتھ ہے اور پہاڑوں کا فرشتہ ہے، آپ جو چاہیں ان کو حکم دیں، یہ ساری نمرودیت اسی میں جلس کر ختم ہو جائے، یہ دونوں پہاڑوں کو ایک ہی میں ملا دیں اور یہ سب اس میں جلس جائیں، بس آپ حکم کریں کیا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قیامت تک کیلئے ابراہیمؑ کی ملت کو متعین کرنا ہے کہ ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا۔

دوست کس بات پر بنالیا؟ کہ جب ساری نمرودیت ان کے خلاف ہوگئی اور جبرائیل جیسی طاقت آپ کی مدد کرنے کے لئے آ گئی، ان کی حفاظت کے لئے اپنی ساری طاقت اور قوت لے کر پہنچی کہ آپ کہیں تو اس آگ کو یہاں سے غائب کر دوں، آپ کہیں تو یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے، یہ دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا کر انھیں ختم کر دے، یا یہ پانی کا فرشتہ آگ پر پانی برسا دے، لیکن ابراہیمؑ کا ''استخلاص'' اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا کہ ہمیں ہرگز تمھاری ضرورت نہیں ہے، اے جبرائیلؑ! ہمیں تمھاری ضرورت نہیں ہے۔

میرے دوستو، بزرگو! جب اتنے حالات یہاں تنگ ہو گئے اور ننگا کر کے منجنیق پر بیٹھا دیا کہ اب یہ توپ کے ذریعے آگ میں پھینکے جانے والے ہیں، اب بھیجا جبرائیلؑ کو، کہ کیا ہماری ضرورت ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا نہیں، تمھاری ضرورت نہیں ہے۔ جب یہ کہہ دیا کہ ہمیں تمھاری ضرورت نہیں ہے، ''جس طرح مددیں بالواسطہ کی جاتی ہیں، اسی طرح مددیں براہِ راست کی جاتی ہیں'' اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے لئے کسی نہ کسی سبب کو اختیار کیا ہے، کسی پر بجلی گرائی، کسی کو دھنسایا، کسی کو ڈبویا، کسی پر زلزلے لائے، کسی کی بستی کو اٹھا کر پلٹا اور کسی کے لئے فرشتے نازل کئے، فرشتے کے ذریعے مدد کی۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کے حضرت جبرائیلؑ کو انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے آگ کو براہِ راست خطاب فرمایا تو آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ جب ابراہیمؑ اپنی مدد کی لیے کسی کو واسطہ نہیں بنا رہے ہیں تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم مدد کریں کسی واسطے سے۔ جب ابراہیمؑ جبرائیلؑ کو واسطہ نہیں بنا رہے ہیں تو اب کونسا واسطہ رہ گیا کہ ہم اپنے ابراہیمؑ کی کسی واسطے اور کسی ذریعے سے مدد کریں۔

میرے دوستو، بزرگو! حالات میں ایمان اور یقین پرکھا جاتا ہے۔ کام کرنے والوں

کی بھی آزمائش حالات میں ہوگی، تاجروں پر حالات لائے جاتے ہیں تاجروں کو سمجھانے کے لئے، کاشتکاروں پر حالات لائے جاتے ہیں کاشتکاروں کو سمجھانے کیلئے، ان کی سال میں ایک ایک یا دو، دو فصل خراب ہوتی ہیں، لیکن اگر اللہ کی ذات سے اگنے کا یقین نہیں ہوگا تو اس وقت تک اللہ کی ذات سے خراب ہونے کا یقین کیسے ہوگا، تو اب اگر نقصان ہو تو یہ اس نقصان کو بھی اللہ کے غیر کی طرف منسوب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں ایسا نقشہ کھینچتے ہیں ہمارا کہ جب ان پر حالات آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو کرے گا، اور انکے حالات جب ہم خود بنا دیتے ہیں تو یہ ہمارے ساتھ پھر شرک کرتے ہیں۔

اس لئے میرے دوستو، بزرگو! سب سے پہلے ہمیں اپنے اندر سے اللہ کے غیر کو دعوت کے ذریعے سے نکالنا ہے، ہر ایک سے اللہ کی ذاتِ عالی کا تعارف کروانا ہے۔ ہر ماحول میں اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کا تعارف کرائیں، تب ہمارے اندر ایمان سے استعداد پیدا ہوگی عملوں پر چلنے کی۔

تاجر اپنی تجارت میں، زمیندار اپنی زمینداری میں، ملازم اپنی ملازمت میں، ہر جگہ احکامات کو پورا کریگا، کہ مجھ سے متعلق اللہ کا کیا حکم ہے۔ اور جہاں، جہاں ایمان پہنچ جائے گا، حکم وہاں پہنچے گا، کہ یہ حکم تیرے کان سے متعلق، یہ حکم تیرے ہاتھ سے متعلق، یہ حکم تیری زبان سے متعلق، یہ حکم تیری شرمگاہ سے متعلق، جہاں جہاں ایمان پہنچ جائے گا، تو ہر حکم کا ہر جگہ پہنچنا یہ حکم زندہ ہی ایمان پر ہوگا، کہ جب ایمان دل میں آجائے گا، تو جسم کے تمام اعضاء میں آجائے گا۔ یعنی اللہ کا دھیان آجائے گا کہ یہ صحیح معنوں میں ذاکر بن جائے گا، یعنی اطاعت والا بن جائے گا، کہ تاجر کا ذکر کیا ہے؟ تاجر کا اس کی تجارت کا ذکر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اب یہ تاجر خیانت نہیں کرے گا۔ حاکم اپنی حکومت میں ظلم نہیں کرے گا، زمیندار اپنے زمیندارے میں جو عشر اور جو زکوۃ آئے گی اسے دے گا، کہ ہر لائن کے اندر ان لائنوں میں چلنے والے، اس لائن کے مطابق اعمال میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر چل رہے ہیں۔

میرے دوستو! نماز میں اللہ کا دھیان جب آئے گا تو یہ نماز اس کے ہر عمل کو نماز پر

لے جائے گی۔ یہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کا پابند ہو کر چلے گا۔ یوں آیا ہے کہ اتنا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں۔

میرے دوستو، بزرگو! ذکر کیا ہے؟ ذکر یہ ہے کہ میں کسی بھی ماحول میں اور کسی بھی نقشے میں، کسی بھی چیز کی نسبت اللہ کے غیر کی طرف نہیں کروں گا، بس یہ ذکر ہے۔ یوں آتا ہے کہ جو آدمی اللہ کی ذات کا تعارف اس طرح کرائے گا، تاجروں سے، کاشتکاروں سے، ملازموں سے، کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ تن تنہا اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، تو یہ سارے کے سارے تاجر، سارے کاشتکار، سارے ملازم، جو غلط یقین لئے بیٹھے ہیں، وہ سارے کے سارے اس کو پاگل کہیں گے۔ اب بنے گا مطلب حدیث کا کہ اتنا کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں۔ تو اگر یہ تنہائی میں ذکر کرتا رہے اور باہر نکل کر دعوت نہ دی، اور ایک ایک سے اللہ کی ذات کا تعارف نہ کرایا، کہ ہمارا بنانے والا، ہمارا پیدا کرنے والا، ہمیں کھلانے والا، ہمیں پلانے والا، ہمیں مارنے جلانے والا، ہمیں دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کرنے والا، یہ ساری زمین اور آسمان کے درمیان کی چیزیں بنانے والا، یہ کون ہے؟ اب ہر چپے چپے پر جب اس کا تعارف کرائے گا، اب جب تاجر سے جا کر یہ کہے گا، تو تاجر کہیں گے کہ یہ پاگل ہے، ہم تو یقین رکھتے تھے کہ تجارتوں سے مال آتا ہے اور حکومتوں سے مسائل حل ہوتے ہیں، لیکن یہ آکر آج یوں کہہ رہے ہیں، اور کہیں موقع ہی نہیں دیتے کہ کسی سبب سے بھی کچھ ہوتا ہے، تو اب یہ سارے اس ذاکر کو پاگل کہیں گے۔ سارے کاشتکار، سارے حکومت والے، سارے ہتھیار والے، سارے دواؤں والے اس ذاکر کو پاگل کہیں گے۔ اب یہ نبیوں کی طرح پاگل کہلایا جائے۔ اب جب یہ چل پھر کر تاجروں سے، حکومت والوں سے، کاشتکاروں سے یہ کہے گا کہ تجارتوں سے کچھ نہیں ہوتا، حکومتوں سے کچھ نہیں ہوتا، جو کچھ ہوتا ہے، یا جو ہو رہا ہے سب کچھ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ سارے اسباب تو خالی برتن ہیں، اللہ چاہیں گے تو ان خالی برتنوں میں ڈال کر دیں گے اور اللہ چاہیں گے تو بغیر برتنوں کے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب اسلئے نہیں بنائے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ رہے تھے کہ انسان کو ان

اسباب کی ضرورت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب اسلئے بنائے ہیں تاکہ یہ دیکھیں کہ تم یقین ان سباب پر رکھتے ہو یا یقین میری ذات پر اور میرے احکامات پر، جس پر ہم نے وعدے کر رکھے ہیں دنیا اور آخرت کے سارے مسائل کے حل ہونے کے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب اسلئے بنائے ہیں تاکہ ہمیں آزمائیں، کہ یقین اسباب پر رکھتے ہو یا میری ذات پر رکھتے ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہمیں پالنے کے لئے اسباب کی ضرورت نہیں تھی، نعوذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کو اسباب کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ اس لئے ہم سب یہ جان لیں کہ یہ کام ہم سب کے کرنے کا ہے، ہر فرد کے کرنے کا ہے، ہر ساتھی اس کام کو اپنا کام سمجھ کر کرے، پھر جو تقاضے ہمارے ذمہ آرہے ہیں اگر ہم وہ تقاضے پورے کریں گے تو اللہ ہمیں دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں گے، اور اگر یہ تقاضا دوسروں پر ڈالے گا تو اس کا مجاہدہ ناقص ہو جائے گا۔

اس لئے میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! جتنی محنت اللہ کے کرم سے ہو رہی ہے، یہ بات تو ظاہر ہے کہ الحمدللہ کام ہو رہا ہے، لیکن جو بات چاہی جا رہی ہے اس کے وجود میں لانے کے لئے، اس کو عمل میں لانے کے لئے ہمیں اپنی قربانی کی سطح کو بلند کرنا ہوگا، قربانی کی سطح بڑھاتے بڑھاتے اس پر آجائیں کہ کیا عرض کروں۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ سال کا چلہ، مہینے کے تین دن، ہفتے کے دو گشت، گھر اور مسجد کی تعلیم، روزانہ کم سے کم ڈھائی گھنٹے، یہ تو ہر امتی کے اپنی ذات کی تبدیلی لانے کے لئے ہے، لیکن اگر یہ یوں چاہیں کہ سارے عالم سے باطل ختم ہو اور سارے عالم میں حق قائم ہو، اگر یہ چاہتے ہو کہ سارے عالم میں تبدیلی آجائے تو اس کے لئے اپنی ذاتی تبدیلی کو چھوڑ کر عالمی تبدیلی والا نصاب اختیار کرنا پڑے گا۔

یہ صاف لکھا ہوا ہے مولانا یوسف صاحبؒ کی ہدایت کے اندر، کہ اس کو چھوڑو، اور اب محنت کا رخ بدل کر اپنی قربانی کی سطح بلند کر کے اب اس پر آؤ کہ عالم میں تبدیلی آئے۔ اور میرے دوستو جب تک عالمی تبدیلی والی محنت نہیں کریں گے اس وقت تک ہمارے اپنے اندر ہرگز تبدیلی نہیں آسکتی، اس لئے کہ یہ تو اپنی ذات کو بدل رہا ہے، ماحول کو

تھوڑے ہی بدل رہا ہے۔ افراد سے تھوڑے ہی ماحول بدلا جا سکتا ہے، ماحول تو مجموعے سے بدلتا ہے، اور مجموعہ اس محنت سے بدلے گا جس طرح صحابہ کرام کے دور میں بدلا ہے۔ جب تک محنت کی وہ سطح نہیں ہوگی جو سطح صحابہ کرام کی تھی اس وقت تک تبدیلی وہ نہیں آئے گی جو تبدیلی صحابہ کے دور میں آئی تھی۔ اس تبدیلی کے لئے تو ہمیں صحابہ کرام والی محنت کرنی ہوگی، وہ محنت کیسے ہوگی۔

میرے دوستو، بزرگو! پرانے اپنی سطح کو چھوڑ کر جب آگے بڑھیں گے، یعنی جب یہ اپنی سطح چھوڑیں گے تب نئے آگے بڑھیں گے۔ یہ پرانے آگے بڑھیں گے تب نئے آگے بڑھیں گے۔ یہ بھی ذرا سوچنے کی بات ہے کہ کہیں ہم پرانوں نے دوسروں کا راستہ تو نہیں روکا ہوا ہے، کہ عوام یہ کہیں کہ پرانے اگر ہر سال کے چار مہینے پر آئیں تو ہم چار مہینے دیں۔ ابھی تو میرے دوستو جو سطح ہمارے سامنے ہے ہم اسی کو سطح سمجھے ہوئے ہیں، اور اگر ہم نے یہ معمول بنایا ہوا ہے کہ بس اسی طرح کرتے کرتے مرجانا ہے تو ایسے لوگ ترقی نہیں کیا کرتے۔ اس لئے ہمیں اپنی قربانی کی سطح بڑھانا ہے۔ جب اس سطح سے آگے ہم بڑھیں گے تب ہمیں پتہ چلے گا کہ ہم نے پیچھے والوں کے لئے کیسے راستہ روکا ہوا تھا۔

اب قدم پر قدم اٹھاؤ اور قربانیوں پر قربانیاں دو، اور ہمت کر کے ہر سال کے چار مہینے پر، اور روزانہ کے آٹھ گھنٹے پر، اور بجائے ہر مہینہ سہ روزہ کے مہینے کے دس دن پر آنا چاہئے۔ مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہمیں ہر امتی کی تہائی جان، تہائی مال اور تہائی وقت چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین



فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Rs. 30/-

Corp. Off.: 2158, M.P Street, Pataudi House, Darya Ganj, N. Delhi - 2
Phones : 23289786, 23289159 Fax : 23279998 Res.: 23262486
E-mail : farid@ndf.vsnl.net.in Websites : faridexport.com, faridbook.com